وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا

اور چور خواہ مرد ہو یا عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو (المائدۃ: ۳۸)

چوری کے متعلق

قانونِ الٰہی اور قانونِ حنفی

تالیف

فضیلۃ الشیخ حافظ عبدالسلام بن محمد

مکتبہ اسلامیہ

نام کتاب	----------	چوری کے متعلق قانونِ الٰہی اور قانونِ حنفی
مؤلف	----------	فضیلۃ الشیخ حافظ عبدالسلام بن محمد
کمپوزنگ	----------	مکتبہ اسلامیہ
ناشر	----------	محمد سرور عاصم

بیرون امین پور بازار بالمقابل شیل پٹرول

پمپ فیصل آباد فون: 041-631204

فضیلۃ الشیخ
حافظ عبدالسلام بن محمد

مکتبہ اسلامیہ

بیرون امین پور بازار بالمقابل شیل پٹرول
پمپ فیصل آباد فون: 041-631204

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ

عرضِ ناشر

چوری ایسا قبیح فعل ہے جو دنیا کے ہر قانون میں جرم سمجھا جاتا ہے، اور اس کی کچھ نہ کچھ سزا ضرور مقرر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر سلیم الفطرت انسان اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

انسانی زندگی میں مال و متاع کی بڑی قدر و منزلت ہے۔ اس کے حصول کے لئے انسان ہمہ وقت کوشاں رہتا ہے اور دوران حصول پیش آمدہ مصائب و مشکلات کو جانفشانی اور خندہ پیشانی سے نہ صرف قبول کرتا ہے بلکہ بعض اوقات اپنے آرام وسکون اور لمحات مسرت کو بھی اس پر نچھاور کرنے سے دریغ نہیں کرتا۔ محنت و مشقت سے حاصل کردہ مال کو جب کوئی اخلاقی اقدار سے گرا ہوا انسان اچانک چرا لے تو کاسب اور مالک کو بڑی کوفت ہوتی ہے۔ بسا اوقات انسان اپنی جان تک داؤ پر لگا کر جمع کردہ پونجی بچانے کی کوشش کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ دین اسلام جو کہ تمام نوع انسانی کی جان و مال کے تحفظ کا علمبردار ہے اس نے بھی اپنے مال کا تحفظ کرتے ہوئے کٹ مرنے والے کو شہادت کا رتبہ عطا کیا ہے۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہے:۔

((مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ.))

(مسلم، کتاب الایمان، باب...... من قتل دون مالہ فھو شھید رقم:۳۶۱)

''جو اپنے مال کے لئے مارا جائے، وہ شہید ہے۔''

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس گناہ کبیرہ کے مرتکب کی سزا بھی عبرت ناک بیان کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً ۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ (۵ المائدہ : ۳۸)

'' اور چور خواہ مرد ہو یا عورت دونوں کا ہاتھ کاٹ دو، یہ ان کی

کمائی (چوری) کا بدلہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبرتناک سزا،
اللہ کی قدرت سب پر غالب ہے اور وہ دانا و بینا ہے۔"

اس جرمِ عظیم کے مرتکب پر حد کے نفاذ کے سلسلہ میں کسی قسم کی نرمی نہیں کی جائے گی۔ اللہ کے نبی ﷺ کے دور میں ایک مخزومی عورت نے چوری کی۔ چنانچہ انہوں نے حد سے بچنے کے لئے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو سفارش کے لئے تیار کیا، اللہ کے نبی ﷺ کو اسامہؓ سے بہت محبت تھی۔ اس لئے انہوں نے سوچا کہ ان کی سفارش سے حد ختم ہو جائے گی۔ حضرت اسامہؓ نے جب آپ ﷺ سے بات کی تو اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا:۔

((اَتَشْفَعُ فِیْ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ؟))
"کیا تو اللہ تعالیٰ کی حدود میں سفارش کرتا ہے؟"

پھر آپ ﷺ کھڑے ہوئے خطبہ دیا:۔

((یَا اَیُّهَاالنَّاسُ اِنَّمَا ضَلَّ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ اَنَّهُمْ کَانُوْا إِذَا سَرَقَ الشَّرِیْفُ تَرَکُوْهُ وَ اِذَا سَرَقَ الضَّعِیْفُ فِیْهِمْ أَقَامُوْا عَلَیْهِ الْحَدَّ.))

"اے لوگو! تم سے پہلے لوگ اسی لئے ہلاک ہوئے کہ جب ان میں کوئی بڑا آدمی چوری کرتا اس کو چھوڑ دیتے اور اگر کمزور کرتا تو اس پر حد نافذ کرتے۔"

((وَ اَیْمُ اللّٰهِ لَوْ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعَ مُحَمَّدٌ یَدَهَا.))

"اگر فاطمہ، محمد ﷺ کی بیٹی بھی چوری کرتی تو میں (محمد) اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔" (بخاری، کتاب الحدود، باب کراھیۃ الشفاعۃ فی الحد: رقم ۶۷۸۸)

ایک طرف اللہ کے نبی ﷺ اپنی بیٹی کو بھی جرم ثابت ہونے پر سزا سے مستثنیٰ و مبرا قرار دینے کو تیار نہیں۔ دوسری طرف ہمارے بعض نام نہاد فقہاء نے چوروں، ڈاکوؤں اور لٹیروں کو خوش کرنے کے لئے مختلف حیلے بہانوں سے اس گھناؤنے جرم کے مرتکب کو حد

سے بچانے کی سرتوڑ کوشش کی ہے، اور قانونِ الٰہی میں بھی تغیر و تبدل کرنے سے گریز نہیں کیا۔ مثلاً شیشہ، کتاب اور کفن چور پر حد نہیں ہے۔ مسجد سے چوری پر حد نہیں ہے وغیرہ۔ تفصیل پیشِ خدمت کتاب میں ملاحظہ فرمائیں۔

جبکہ چوری اس نوعیت کا جرم ہے کہ متاثرہ آدمی کے معاف کرنے سے بھی حد ساقط نہیں ہوتی:۔

''حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد میں سو رہا تھا کسی نے میرے سر کے نیچے سے چادر چرا لی۔ میں نے اس کو پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کر دیا۔ آپ ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ صفوان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ اس کا اس چادر کی بناء پر ہاتھ کاٹ دیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:۔ میرے پاس لانے سے پہلے کیوں نہیں چھوڑ دیا۔ (نسائی)

مسند احمد میں ہے کہ صفوان رضی اللہ عنہ نے عرض کی میں نے اس کو چادر ہبہ کر دی تو آپ ﷺ نے فرمایا میرے پاس لانے سے پہلے کیوں نہ ہبہ کر دی۔''

ثابت ہوا کہ عدالت میں مقدمہ پیش ہونے کے بعد مالک مال کے ہبہ یا معاف کرنے سے بھی حد ختم نہیں ہوتی۔ لیکن صد افسوس ہے: کہ نام نہاد مقلدین نے قانونِ الٰہی سے انحراف کرتے ہوئے اور تقلیدی روش پر گامزن رہتے ہوئے ...... چوروں کو بھی ''عدالت اسلامی'' کے کٹہرے سے اٹھا کر تقلیدی دامنِ عافیت میں جگہ دے کر اپنے کاروبار کو چمکانے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ زیرِ نظر کتاب میں انہی حقائق سے پردہ اٹھایا گیا ہے ...... جو جہاں قابل غور ہے وہاں دعوت فکر بھی ......!!

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کے ذریعے لوگوں کو راہ ہدایت نصیب فرمائے اور قرآن و سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

محمد سرور عاصم

بسم الله الرحمن الرحیم

حرف اول

چوری ایک ایسا جرم ہے جس کی مذمت پر تمام اقوام عالم متفق ہیں کیوں کہ اس سے انسان کا مال جو اللہ تعالیٰ نے اس کی زندگی کے قیام کا باعث بنایا ہے غیر محفوظ ہو جاتا ہے' بلکہ بعض اوقات مزاحمت کی صورت میں جان بھی چلی جاتی ہے۔ اسے روکنے کے لیے لوگوں نے اپنی عقل سے کئی قانون بنائے جو دنیا کے مختلف ملکوں میں رائج ہیں' مگر اس کی روک تھام نہ کر سکے' بلکہ انسانوں کی تجویز کردہ سزائیں اس جرم کو ختم کرنے کی بجائے اسے بڑھانے کا باعث ہی بنیں۔ طویل قیدیں بھی چوروں کی عادت ختم کرنے کی بجائے انھیں زیادہ بے باک اور ماہر چور بنانے کا ذریعہ بن گئیں۔ یقین نہ ہو تو دنیا کے سب سے زیادہ مہذب ہونے کے دعوے دار ملک امریکہ کو دیکھ لیجیے کہ سزائیں موجود ہونے کے باوجود کسی کی جان محفوظ ہے نہ مال بلکہ دن بدن چوریاں اور ڈاکے زیادہ ہو رہے ہیں۔

ہاں! اللہ کے قانون میں یہ قوت موجود ہے کہ اس کے نفاذ سے جانیں بھی محفوظ ہو جاتی ہیں' مال بھی اور عزت بھی۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

بينا أنا عند النبى صلى الله عليه وسلم اذاتاه رجل فشكا اليه الفاقة ثم جاء ه آخر فشكا اليه قطع السبيل فقال يا عدى!هل رايت الحيرة قلت لم ارها و قد انبئت عنها قال فان طالت بك حيوة الترين انطعينة ترحل من الحيرة حتى تطوف بالكعبة لا تخاف احدًا الا الله قلت فيما بينى و بين نفسى: فاين دعّارطى الذين قد سعرو البلاد.. الحديث(بخارى ج 1ص 8-507)

یعنی ایک دفعہ میں نبی ﷺ کے پاس تھا کہ ایک آدمی آیا اس نے آپ کے

پاس فاقے کی شکایت کی پھر ایک اور آیا اس نے آپ کے پاس (چوروں اور ڈاکوؤں کی طرف سے) راستے کاٹ دینے کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا: عدی! تم نے حیرہ شہر دیکھا ہے؟" میں نے عرض کیا: "میں نے اسے نہیں دیکھا البتہ مجھے اس کے متعلق بتایا گیا ہے۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر تمھاری زندگی دراز ہوئی تو تم اونٹی پر سوار ایک عورت کو دیکھو گے جو حیرہ سے اپنے سفر کا آغاز کرے گی یہاں تک کہ کعبہ کا طواف کرے گی اسے اللہ کے علاوہ کسی کا خوف نہیں ہوگا۔" عدیؓ فرماتے ہیں: "میں نے اپنے دل میں کہا: "اس وقت بنو طے کے بدمعاش، جنھوں نے شہروں کو آگ لگا رکھی ہے کہاں ہوں گے؟"---- ساری حدیث

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی اگرچہ تعجب خیز تھی مگر یقیناً سچی تھی۔ جب اللہ کے قانون پر عمل شروع ہوا اور شریعت کی مقرر کردہ سزائیں دی جانے لگیں تو جن چوروں اور ڈاکوؤں نے شہروں میں آگ لگا رکھی تھی ان کے دماغوں سے چوری اور ڈاکے کا خیال تک مٹ گیا۔ چنانچہ یہی عدیؓ بن حاتم جو اس پیش گوئی کو سن کر حیران ہوئے تھے اور جو اس وقت کی بدامنی کو دیکھتے ہوئے یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ بنو طے کے مفسدوں کے ہوتے ہوئے یہ کیسے ہو سکے گا؟ خود فرماتے ہیں:

فرأيت الظعينة ترتحل من الحيرة حتى تطوف بالكعبة لا تخاف الا الله (بخاری ج 1 ص 508)

"پھر میں نے خود وہ شتر سوار عورت دیکھی جو حیرہ سے چل کر بیت اللہ کا طواف کر رہی تھی۔ اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ تھا۔"

یہ اللہ کے قانون پر عمل کی برکت تھی کہ بدامنی و فساد کے مراکز امن و سلامتی کا گہوارہ بن گئے، نہ کسی کی جان کو خطرہ رہا نہ مال کو، نہ عزت کو اور جب تک مسلمانوں نے قانون الٰہی کو قائم رکھا ان جیسا امن و سکون کسی قوم کو میسر نہیں ہوا۔

ابتدائی دور کے بعد بھی جس جگہ یا جس زمانے میں مسلمانوں نے اس پر عمل کیا۔ وہ

مثالی امن کی نعمت سے بہرہ مند ہوئے۔ مدت ہائے دراز تک قانون الٰہی کے عملی نفاذ سے محروم رہنے کے بعد چند سال پیشتر نجد و حجاز (سعودی عرب) کی سرزمین کو جب یہ نعمت دوبارہ میسر ہوئی تو اس وقت سے وہ تمام دنیا سے زیادہ پرامن سرزمین بن گئی ہے۔ لوگ اپنی دکانیں کھلی چھوڑ کر چلے جاتے ہیں مگر انھیں چوری کا کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ رات کسی کی نیند اس خوف سے اچاٹ نہیں ہوتی کہ کہیں میرا سرمایہ حیات چور نہ لے جائیں۔ لوگوں کو چوری اور ڈاکے سے ایسا اطمینان و امن حاصل ہے کہ امریکہ ،برطانیہ بلکہ دنیا کے کسی ملک کے لوگ خواب میں بھی اس کا تصور نہیں کر سکتے۔

عالم اسلام کی قانون الٰہی سے محروم ہونے کی اصل وجہ

مگر یہ حقیقت اپنی جگہ پر ہے کہ سعودی عرب کو چھوڑ کر دوسرے مسلمان ممالک عرصہ دراز سے قانون الٰہی سے محروم ہیں۔ اس کے ذمہ دار وہ حکمران ہیں جنھوں نے حدود الٰہی کو عملاً نافذ کرنا ترک کر دیا اور ان سے بھی زیادہ وہ اصحاب علم و فتویٰ ذمہ دار ہیں جنھوں نے حکمرانوں کو حدود میں ایسی شقیں ایجاد کر کے دیں جن کی موجودگی میں حدود کا نفاذ ممکن نہ رہا۔

ان حضرات نے سب سے پہلے گزشتہ امتوں کی طرح اقامت حدود میں شریف و ضعیف میں تفریق پیدا کر دی اور اپنے زورِ قانون سازی سے سلاطین کو حدود سے مستثنیٰ قرار دیا اور ایک ایسا قانون بنا دیا جو نہ اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا نہ اس کے رسول ﷺ نے۔ چنانچہ کہا گیا:

" **کل شیء صنعه الامام الذی لیس فوقه امام فلا حد علیه الا القصاص فانه یؤخذ به و بالاموال** " (ھدایه ص 216 ج 2)

"وہ امام جس سے اوپر کوئی امام نہ ہو ،جو کچھ بھی کرے اس پر حد نہیں [1] ،مگر قصاص کہ اسے اس کے ساتھ پکڑا جائے گا اور اموال کے ساتھ۔"

---

[1] (بعض لوگ اس قانون کی دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ جب اس سے اوپر کوئی حاکم ہی نہیں تو اس پر حد کون نافذ کرے گا۔ خود تو وہ اپنے آپ پر حد نافذ کرنے سے رہا۔ اگر اس کی مرضی کے خلاف دوسرے لوگ اس پر حد قائم کرنے کی کوشش کریں گے تو فتنہ و فساد کا خطرہ ہے۔ اس فتنہ و فساد سے بچنے کے لیے اس پر حد ختم کی گئی ہے ⇐

اس قانون کے ساتھ بادشاہ سے زنا' شراب نوشی' بہتان تراشی کی حد اور چوری پر قطع ید ختم کر دیا گیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے یہ حدود ختم نہ کی تھیں۔ جب انھوں نے حکمران سے

⟸ اس عذر لنگ کا جواب خود اس قانون میں موجود ہے کیوں کہ یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ قصاص میں اس پر مواخذہ ہوگا۔ وہ سوال یہاں بھی موجود ہے کہ اس سے قصاص کون لے گا۔ جو قوت اس سے بندوں کے حقوق پر مواخذہ کرے گی اسی قوت پر یہ بھی لازم ہے کہ اسے حقوق اللہ میں پکڑے۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی امتوں کے تمام لوگوں کو اس بات کا مجرم ٹھہرایا کہ انھوں نے اشراف پر سے (جن میں بادشاہ شریف نمبر ایک ہوتا ہے) چوری کی حد ختم کی اور اسی چیز نے انھیں برباد کر ڈالا۔ چنانچہ آپ ﷺ فرماتے ہیں:

انما اهلك الذين قبلكم انما كانوا اذا سرق فيهم الشريف تركوه و اذا سرق فيهم الضعيف اقاموا عليه الحدو ايم الله لو ان فاطمة بنت محمد صلى الله عليه وسلم سرقت لقطعت يدها (متفق علیہ 'مشکوۃ ص 314)

"تم سے پہلے لوگوں کو صرف اسی چیز نے ہلاک کیا کہ جب ان میں کوئی شریف (بڑا آدمی) چوری کرتا اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی ضعیف (کمزور) آدمی چوری کرتا اس پر حد قائم کر دیتے تھے اور اللہ کی قسم! اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہؓ چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ (بھی) کاٹ دیتا۔"

چوری میں ہاتھ کاٹنا خالص اللہ کا حق تھا جس کا مطالبہ کرنے کے لیے خود اللہ تعالیٰ نے زمین پر تشریف نہیں لانا تھا۔ یہ حق اس کے بندوں نے ہی نافذ کرنا تھا جن پر اس کی تنفیذ فرض تھی اور جنھیں اسے معاف کرنے یا باطل کرنے کا کوئی حق نہ تھا۔ پھر انھوں نے بھی فتنہ و فساد کے خوف سے اور دوسری ان ہی وجوہات کو مد نظر رکھ کر اسے اپنے بڑوں سے ختم کیا ہوگا جن وجوہات کے اثبات کیلیے ہمارے ان قانون ساز حضرات نے اپنی تمام قوت استدلال وقف کر رکھی ہے۔ اگر ان کو وہ استدلالات اور اندیشے ہلاکت سے نہ بچا سکے تو ہمیں کیا بچا سکیں گے؟

ایک لحاظ سے ہماری بغاوت پہلے لوگوں کی بغاوت سے بڑھ کر ہے کہ انھوں نے تو رسول اللہ ﷺ کے بیان کے مطابق شریف (بڑے لوگوں) سے حد ختم کی مگر ضعیف پر حد قائم رکھی پھر بھی وہ اللہ کے غضب کا شکار ہو گئے۔ ہم نے بادشاہ سے حد ختم کرنے کے بعد تمام چوروں کی حد ختم کرنے کے لیے بھی قوانین بنا لیے' ہمارا ٹھکانا کیا ہوگا؟

تنبیہ: قصاص جس کو یہاں بادشاہ پر بھی ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اسے باطل کرنے کے طریقوں کے بیان کے لیے مستقل مضمون درکار ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو وہ بھی سپرد قرطاس کر دیا جائے گا۔

وما توفيقي الا بالله۔۔!

یہ حدود ختم کیں تو رعایا پر انھیں نافذ کرنا آسان نہ رہا' کیوں کہ رعایا کے بھڑک اٹھنے کا خطرہ تھا' کیوں کہ شریف (بادشاہ) چوری کرے' زنا کرے' شراب نوشی کرے' بہتان تراشی کرے اسے سب کچھ معاف ہو اور ضعیف سے جرم ہو جائے تو اس کی کمر پر درے برسیں' ہاتھ کاٹے جائیں' سنگ سار کیا جائے' ہمیشہ ایسا نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے انھیں مجبور ہونا پڑا کہ قانون میں ایسی گنجائش پیدا کریں کہ کسی پر بھی حد نافذ نہ ہو۔

سوچیے! جہاں مجتہدین کے زور اجتہاد اور قانون سازی کا رخ ہی ابطال حدود کی طرف ہو' حکمران بھی اپنے عیش و نشاط کو محفوظ رکھنے کے لیے اپنے قلمرو میں صرف ان کا قانون ماننے والوں کو عہدہ قضا پر فائز کریں وہاں سے قانون الٰہی جلاوطن نہیں ہوگا تو کیا ہوگا؟ یہ قانون' قانون حنفی تھا جو دوسری صدی ہجری کے آغاز میں کوفہ کے چند قانون سازوں نے بنایا اور اس کی مختلف شقوں کے ذریعے حدود الٰہی کا نفاذ عملاً غیر ممکن بنا دیا۔ اس دعویٰ کے لیے خارجی دلائل تلاش کرنے کی بجائے اس قانون کی داخلی شہادتیں زیادہ مضبوط دلیل ہیں اور وہی آئندہ صفحات میں پیش کی جائیں گی۔

ابطال حدود کا ایک ناکام طریق کار

عالم اسلام میں ایسے لوگ بھی رہے ہیں جنھوں نے حدود الٰہیہ سے صاف ہی انکار کر دیا' خواہ رجم ہو یا چور کا ہاتھ کاٹنا۔ اب بھی مسلمان کہلانے والے کئی جج' وکیل اور دانشور منکرین حدیث بلکہ دراصل منکرین قرآن موجود ہیں جو مغربی ملکوں سے ذہنی شکست خوردگی کی وجہ سے چور کا ہاتھ کاٹنے کو وحشیانہ سزا قرار دیتے ہیں اور چور کا ہاتھ کاٹنے کی صورت میں تمام ملک کے لوگ ٹنڈے کر دیے جانے کا واہمہ زور و شور سے پھیلاتے رہتے ہیں۔

یہ لوگ قرآن مجید کے فرمان "چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دو" کو بھی نت نئے سے نئے معانی کا جامہ پہناتے رہتے ہیں۔ مقصد ساری تگ و دو کا یہ ہوتا ہے کہ کسی طرح حدود اللہ کو نافذ ہونے سے روکا جائے۔ مگر عام مسلمان ان کی رائے کو ایک گمراہ ذہنیت سے زیادہ کوئی مقام دینے کے لیے تیار نہیں کیوں کہ ان کے دل سے اس مبارک دور کی یاد مٹ نہیں سکتی جب ان حدود الٰہیہ کی بدولت حیرہ سے

تنہا عورت چل کر بیت اللہ کا طواف کرتی تھی اور اسے اللہ کے علاوہ کسی کا خوف نہ ہوتا تھا اور اب بھی وہ چشم سر ان برکات کو سعودی عرب میں دیکھ رہے ہیں۔ یہ چیز اگر مغربی قوانین یا انسان کے بنائے ہوئے کسی دوسرے قانون کی بدولت ممکن ہوتی تو تاریخ کے کسی دور میں یا موجودہ دور میں جو تہذیب و تمدن کی ترقی کا دور کہا جاتا ہے ان قوانین کی بدولت بھی کسی ملک میں اس امن و اطمینان کی کوئی نظیر ملتی مگر چوں کہ ان قوانین کا نتیجہ چوری ڈاکے' آبروریزی اور بد امنی میں روز افزوں اضافے کے علاوہ کچھ نہیں نکلا' اس لیے عام مسلمان مغرب کے ان ذہنی غلاموں کی بات کو دل و دماغ میں جگہ دینے کے لیے تیار نہیں ہو سکے۔ ابطال حدود کے لیے ان کا طریق کار عامۃ المسلمین میں موثر نہیں ہو سکا۔

ابطال حدود کا کامیاب طریقہ

ابطال حدود کا دوسرا طریق کار جو کامیاب بھی ثابت ہوا ان لوگوں نے اختیار کیا جو پورے زور سے اعلان کرتے رہے کہ زنا کی سزا درے اور رجم ہے۔ چور کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے' شراب کی حد درے مارنا ہے' اپنی تقریروں اور تحریروں میں خلافت اسلامیہ کے مبارک دور کے خواب بھی دکھاتے رہے۔ عوام کے سامنے حدود الٰہیہ کے پاسبان بن کر آئے مگر قانون بناتے وقت صرف کتاب و سنت پر اکتفا کرنے کی بجائے اس میں اپنی عقلی موشگافیوں اور دور از کار شکوک و شبہات کے ذریعے ایسی شقیں شامل کر دیں کہ عملاً نہ چور کا ہاتھ کاٹنا ممکن رہا' نہ زانی کو درے مارنا یا رجم کرنا اور نہ ہی شرابی پر حد نافذ کرنا۔ چونکہ یہ لوگ قانون الٰہی کے محافظ ہونے کے روپ میں سامنے آئے اور انھوں نے تنفیذ حدود کے پردے میں ابطال حدود کا کام سرانجام دیا' اس لیے ان کے دام ہمرنگ زمین سے بہت کم خوش قسمت بچ سکے۔ اکثر کا حال وہی ہوا کہ ؎

حسن سبزے بخط سبز مرا کرد اسیر
دام ہمرنگِ زمین بود گرفتار شدم

اس وقت بھی حالت یہ ہے کہ ایک طرف پاکستان کے مسلمان حدود اسلامی کے نفاذ کے لیے سخت بے قراری کا اظہار کرتے رہتے ہیں' دوسری طرف ان کی اکثریت نے

ایسے لوگوں کو اپنا پیشوا اور رہنما بنایا ہوا ہے جو خلافت راشدہ کے نقشے بھی اپنی تحریروں اور تقریروں میں کھینچتے ہیں۔ اقامت دین کا صور بھی پھونکتے ہیں' تنفیذ حدود کے نعرے بھی لگاتے ہیں' مگر ساتھ ساتھ خلاف راشدہ کے ایک سو سال بعد بنائے جانے والے ایک ایسے قانون کو نافذ کرنے کا مطالبہ بھی دن رات کر رہے ہیں جس نے حدود الٰہیہ کو عملاً معطل کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اکثریت کے یہ علما اور رہنما باہمی ہزار اختلافات کے باوجود حنفی قانون نافذ کرنے کے مطالبہ میں یک زبان ہیں خواہ وہ بریلوی ہوں یا دیوبندی یا اقامت دین کی دعوٰی دار تحریک جماعت اسلامی کے علم بردار' جن کے نزدیک پاکستان میں حنفی قانون کے نفاذ کی دلیل صرف یہ ہے کہ یہاں کی اکثریت حنفی ہے۔

حدود الٰہیہ کی حفاظت کے لیے ربانی علما و سلاطین کی کاوشیں

یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم ہے کہ اس نے ان لوگوں کے مقابلے میں ایسے اہل علم و فضل بھی رکھے جنھوں نے ہر طرح قانون الٰہی کی پاسبانی کی۔ اس کارواں کے سرخیل وہ فقہا و محدثین ہیں جنھوں نے سندوں کے ساتھ احادیثِ رسولؐ کو اس طرح جمع کر دیا کہ سند دیکھ کر صحیح و غیر صحیح کی تمیز بھی ممکن ہو گئی اور اپنی رائے کے ساتھ قانون بنانے کی ضرورت بھی نہ رہی۔ انھوں نے اپنے پاس سے کوئی قانون بنایا نہ کوئی قیاسی موشگافی کی۔ اپنی کتابوں میں صرف ایسے تراجم ابواب قائم کرنے پر اکتفا کی جن کے ذریعے احادیث کے مفاہیم و معانی بھی نمایاں ہوتے ہیں اور ان کے ذریعے شریعت کے احکام مسخ اور حدود الٰہیہ کو معطل کرنے والوں کی عقلی موشگافیوں اور دور از کار شکوک و شبہات کا رد بھی واضح ہوتا ہے۔ بعض نے ابواب کی ضرورت بھی نہیں سمجھی۔ احادیثِ رسولؐ کو جمع ہی ایسی ترتیب سے کر دیا ہے کہ ترتیب خود مطلب کا اظہار کرتی ہے۔ بعض نے صرف احادیث جمع کر دیں' اللہ نے بعد میں آنے والے محدثین کے ذریعے ان کتابوں کی تبویب بھی کرا دی ہے۔ ان بزرگوں میں امام بخاری' مسلم' ابوداؤد' نسائی' ترمذی' مالک' احمد' شافعی' بیہقی' دارقطنی' ابن حبان' ابن خزیمہ اور دوسرے بہت سے ائمہ کرام شامل ہیں' رحمھم اللہ تعالیٰ۔ ان میں سے امام مالکؒ' شافعیؒ اور احمدؒ اور کچھ دوسرے ائمہ نے تراجم و ابواب کے ساتھ جمع احادیث سے بڑھ کر کچھ استنباطات

واجتہادات بھی پیش فرمائے جو اکثر و بیشتر آیات واحادیث کے مطابق ہیں۔ مگر اجتہادی خطا سے کون محفوظ رہ سکتا ہے۔ خطا سے پاک تو صرف وہ احکام ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائے۔ تاہم ان تمام ائمہ کرام نے تعطیل حدود کی عام روش کے آگے جس طرح بند باندھا وہ اسلام کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ ان کے بعد تاریخ میں جہاں کہیں کوئی حد نافذ ہوتی دکھائی دیتی ہے ان لوگوں کی علمی محنت کا نتیجہ اور ان ہی کے فیض یافتہ علما' قضاۃ و سلاطین کی بدولت ہے۔ **فجزاھم اللہ احسن الجزاء..!**

میں نے ان ہی ائمہ کرام کی خوشہ چینی کر کے صحیح احادیث سے اور آیات قرآنیہ سے حدود اللہ کی تفصیل آئندہ صفحات میں پیش کی ہے اور کوشش کی ہے کہ جہاں جہاں قانونِ حنفی میں حدود اللہ کو باطل کیا گیا ہے اس کی نشاندہی قرآن و حدیث کی روشنی میں کر دوں۔ بعض بعض مقامات پر ائمہ ثلاثہ کا موقف بھی پیش کیا ہے وہ بطور حجت نہیں۔ صرف حنفی قانون سازوں اور ائمہ ثلاثہ کی عام روش کا تقابل مقصود ہے۔ اصل حجت صرف قرآن و سنت ہے۔

سب سے پہلے چوری کی حد کے متعلق اپنی گزارشات پیش کروں گا۔ مناسب سمجھتا ہوں کہ شروع میں قرآن و سنت سے چور کی حد مختصر طور پر بیان کر دوں۔ اس کے بعد حنفی قانون سازوں کی اسے ختم کرنے کے لیے بنائی ہوئی شقیں عرض کروں گا۔

قرآن و سنت میں چوری کی حد

قرآن مجید میں چور کی حد

﴿وَ السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ [5:المائدہ:38]

ترجمہ: چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دو' بدلہ اس کا جو انھوں نے کمایا' عبرت اللہ کی طرف سے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ چور کی حد ہاتھ کاٹنا ہے اور اس کے بڑے مقصد دو ہیں:

1. اس کے جرم کا بدلہ ہی ہاتھ کاٹنا ہے۔ اگر اس سے کم جسمانی سزا یا جیل وغیرہ کی سزا ہو تو نہ اس کے جرم کا بدلہ ہو سکتا ہے نہ ان مظلوموں کی اشک شوئی جنھیں اس نے مالی نقصان کے ساتھ ساتھ نہایت نا قابل بیان ذہنی اذیت پہنچائی ہے اور اگر اس سے زیادہ جسمانی سزا دی جائے مثلاً اسے قتل کر دیا جائے تو وہ سزا اس کے جرم کے مقابلہ میں زیادہ ہے اور اس پر ظلم ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔
2. اس چور کو اور دوسرے تمام لوگوں کو چوری سے روکنے کے لیے عبرت ناک سزا ہاتھ کاٹنا ہی ہے۔ اس سے کم جسمانی سزا یا قید کر دینے میں وہ عبرت نہیں جو اس مجرم کو یا دوسرے لوگوں کو اس جرم سے روک سکے اور اگر اس سے سخت سزا مثلاً بعض ظالم حکمرانوں کی طرح چور کو قتل ہی کر دیا جائے تو اس سے بھی عبرت کا مقصد مکمل طور پر حاصل نہیں ہوتا کیوں کہ جب چور کی زندگی ہی ختم کر دی گئی تو اس کے لیے تو عبرت حاصل کرنے کا موقع ہی نہ رہا۔ دوسرے لوگ اسے قتل ہوتے وقت ضرور دہشت زدہ ہوں گے' مگر کچھ مدت بعد دوسرے فوت شدہ لوگوں کی طرح وہ بھی ذہنوں سے محو ہو جائے گا۔ بطور عبرت اس کا وجود باقی نہیں رہے گا۔ ہاں اگر قرآن مجید کے حکم کے مطابق اس کا ہاتھ کاٹا جائے تو خود اسے بھی عبرت ہو گی۔ ہاتھ کٹتے وقت

دیکھنے والے بھی لرزہ براندام ہوں گے اور پھر یہ شخص ساری زندگی کٹے ہوئے ہاتھ کے ساتھ خود اپنے لیے اور دوسرے تمام دیکھنے والوں کے لیے باعث عبرت رہے گا۔

قطع ید کے لیے چوری کا نصاب

چوں کہ ہاتھ کاٹنا بہت سخت سزا ہے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بالکل معمولی اور کم قیمت چیز پر ہاتھ نہیں کاٹتے تھے بلکہ آپ نے اس کے لیے وہ مقدار متعین فرمادی ہے جس کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے گا اور اس سے کم قیمت کی چیز میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

عن عائشة قالت لم يكن يد السارق يقطع على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم في الشيء التافة ولم يقطع في ادنى من ثمن حجفة او ترس رواه ابن ابى شيبة في مسنده والآخرون . كذا في نصب الراية باب ما يقطع فيه و ما لا يقطع (ج 2 ص 103 مطبع علوی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چور کا ہاتھ معمولی کم قیمت چیز میں نہیں کاٹا جاتا تھا اور چمڑے کی ڈھال یا دوسری ڈھال سے کم قیمت میں نہیں کاٹا گیا۔

عن عائشة قالت لم تقطع يد السارق في عهد النبي صلى الله عليه وسلم في ادنى من ثمن المجن ترس او حجفة و كان كل واحد منهما ذاثمن (بخاری ص 1004 ج 2 و دیگر کتب احادیث)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ چور کا ہاتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ڈھال: 'لوہے کی ہو یا چمڑے کی' سے کم قیمت کی چیز کی چوری میں نہیں کاٹا گیا اور ان میں سے ہر ایک قیمت والی تھی۔

عن نافع عن ابن عمر قال قطع النبي صلى الله عليه وسلم يدالسارق في مجن ثمنه ثلثة دراهم"(بخاری ص 1004 ج 2) **ورواه مسلم و مالك و ابوداؤد والترمذی والدارمی و ابن ماجة والطحاوی و ابن الجارود 'والدارقطني والبيهقي والطيالسي واحمد' كذا في ارواء الغليل حديث نمبر 2412 ج 8**

نافع بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے چور کا ہاتھ ایک ڈھال کی چوری میں کاٹ دیا جس کی قیمت تین درہم تھی۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اس ڈھال سے کم قیمت کی چیز چرانے پر آنحضرت ﷺ ہاتھ نہیں کاٹتے تھے جس کی قیمت تین درہم ہوتی تھی۔

ڈھال کے اندازے کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کے حساب سے اس کی حد واضح طور پر بھی متعین فرمادی ہے۔

عن عائشة قالت قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم تقطع الید فی ربع دینار فصاعدا. (اخرجه البخاری و مسلم و ابوداؤد' والنسائی والترمذی والدارمی وابن ماجة و ابن الجارود والطحاوی و ابن ابی شیبة والدارقطنی و البیھقی والطیالسنی و احمد واللفظ للبخاری کذا فی ارواہ الغلیل حدیث 2407 ج 8)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ہاتھ دینار کے چوتھے حصے یا اس سے زیادہ میں کاٹا جائے۔“

صحیح مسلم کے الفاظ یہ ہیں:

” لا تقطع الید الا فی ربع دینار فصاعدا“

”یعنی ہاتھ نہ کاٹا جائے' مگر دینار کے چوتھے حصے میں یا اس سے زیادہ میں“ [1]

احناف نے دس درہم نصاب مقرر کیا ہے مگر یہ مذکورۃ الصدر متفق علیہ احادیث کے خلاف ہے۔ یہ درست ہے کہ دس درہم یا ایک دینار کی چوری میں بھی ہاتھ کاٹنا لازم ہے کیوں کہ وہ تین درہم یا چوتھائی دینار سے زیادہ ہے۔ مگر ایک بھی صحیح حدیث ایسی نہیں کہ دس درہم یا ایک دینار سے کم کی چوری میں ہاتھ نہ کاٹا جائے۔

وہ چیزیں جن کی چوری پر بعض صورتوں میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا

عن رافع بن خدیج عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا قطع فی ثمر و لا کثر (رواہ مالك والترمذی وابوداؤد والنسائی والدارمی و ابن ماجة ' مشکوۃ ص 313)

---

[1] ایک دینار ساڑھے چار ماشے سونے کا ہوتا ہے۔ دینار کا چوتھا حصہ 9 رتی سونے کے برابر ہوگا۔

رافع بن خدیج روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھل اور کھجور کے درخت کے درمیانی گودے کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

دوسری احادیث میں آپ نے اس پھل کی تفصیل بیان فرمائی ہے جس کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

عن عبداللہ بن عمرو ان رجلا من مزینة اتی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فقال یارسول اللہ کیف تری فی حریسة الجبل فقال هی و مثلها والنکال و لیس فی شیء من الماشیة قطع الافیما آواہ المراح فبلغ ثمن المجن ففیه قطع الید و ما لم یبلغ ثمن المجن ففیه غرامة مثلیه وجلدات نکال قال یارسول اللہ کیف تری فی الثمر المعلق قال هو و مثله معه والنکال و لیس فی شیء من الثمر المعلق قطع الافیماآواہ الجرین فما اخذ من الجرین فبلغ ثمن المجن ففیه القطع و مالم یبلغ ثمن المجن ففیه غرامة مثلیه وجلدات نکال

(نسائی سلفیه ج 2ص :257)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مزینہ قبیلے کا ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: یارسول اللہ! پہاڑ سے چرائی ہوئی (بکری) کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا: وہ اور اس کی مثل اور سزا۔ اور جانوروں میں ہاتھ کاٹنا نہیں مگر اس میں جسے باڑہ جگہ دے اور ڈھال کی قیمت کو پہنچ جائے تو اس میں ہاتھ کاٹا جائے گا اور جو ڈھال کی قیمت کو نہ پہنچے اس میں دگنا جرمانہ ہوگا اور سزا کے چند کوڑے۔ اس نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ (درخت پر) لگے ہوئے پھل کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ اور اس کی مثل اور سزا۔ اور کسی درخت پر لگے ہوئے پھل کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، مگر اس میں جو پھل کے ڈھیر میں آجائے تو جو ڈھیر سے چرایا جائے اور ڈھال کی قیمت کو پہنچ جائے اس میں ہاتھ کاٹا جائے گا اور جو ڈھال کی قیمت کو نہ پہنچے اس میں دگنا جرمانہ اور سزا کے چند کوڑے ہوں گے۔

ابو داؤد اور نسائی کی ایک روایت کے شروع میں یہ الفاظ ہیں:

من اصاب بفیه من ذی حاجة غیر متخذ خبنة فلا شیء علیه

(ابو داؤد ص :603)

یعنی کوئی ضرورت مند اگر درخت سے اتار کر پھل کھالے' جھولی بنا کر نہ لے جائے تو اس پر کوئی چیز نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث الفاظ کی کچھ کمی بیشی کے ساتھ نسائی اور ابو داؤد کے علاوہ ترمذی' دارقطنی' بیہقی' ابن جارود وغیرہ میں بھی موجود ہے۔ احناف بھی حرز کی شرط کے لیے اسی حدیث کو دلیل بناتے ہیں۔

اس حدیث سے چند باتیں ثابت ہوتی ہیں:۔

1. باہر چرتے ہوئے جانور چوری کرنے پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا' البتہ دگنا جرمانہ اور سزا کے چند کوڑے لگائے جائیں گے۔
2. باڑے میں آنے کے بعد چوری کرنے پر اگر جانور ڈھال کی قیمت کو پہنچ جائے تو ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔
3. باڑے میں آنے کے بعد چوری کرنے پر اگر ڈھال کی قیمت سے کم ہو تو دوگنا جرمانہ اور سزا کے چند کوڑے لگائے جائیں گے۔
4. کوئی ضرورت مند درخت پر سے پھل اتار کر کھالے' ساتھ نہ لے جائے تو اس پر نہ سزا ہے نہ جرمانہ۔
5. درخت سے اتار کر پھل ساتھ لے جائے خواہ تر پھل ہو جیسے کھجور' سنگترہ' مالٹا وغیرہ یا خشک مثلاً بادام' پستہ' چلغوزہ' وغیرہ تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا' البتہ دگنا جرمانہ اور سزا کے چند کوڑے۔
6. پھل جب ڈھیر میں جمع کر دیا جائے خواہ تر ہو مثلاً کھجور' مالٹا' کیلا وغیرہ خواہ خشک مثلاً بادام اخروٹ' پستہ وغیرہ تو ڈھیر میں سے چرانے پر اگر ڈھال کی قیمت کو پہنچ جائے تو ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔
7. ڈھیر سے چرانے کی صورت میں اگر نصاب کو نہ پہنچے تو دگنا جرمانہ ہوگا اور سزا کے

چند کوڑے۔

معمولی چیز ہو یا غیر معمولی نصاب کو پہنچ جائے تو ہاتھ کاٹ دیا جائے گا

عن ابی ھریرة عن النبی ﷺ قال لعن الله السارق یسرق البیضة فتقطع یدہ و یسرق الحبل فتقطع یدہ (متفق علیہ ' مشکوۃ ص :313)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ چور پر لعنت کرے انڈا چراتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے اور رسی چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔(بخاری و مسلم ودیگر کتب احادیث)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مستثنٰی کردہ جانور اور پھل کی چوری کی صورتوں کے علاوہ کسی معمولی چیز کی چوری بھی کرے مثلاً انڈے چرائے یا رسی چرائے اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ نصاب کو پہنچ جائے تو چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔

چوری کسی کے گھر سے کرے یا مسجد وغیرہ سے جہاں داخلہ کی عام اجازت ہو ہاتھ کاٹ دیا جائے گا

حدث عبداللہ بن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قطع ید رجل سرق ترسا من صفة النساء ثمنہ ثلاثة دراھم (ابو داؤد ص 602)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کا ہاتھ کاٹ دیا جس نے عورتوں کے صفہ سے ایک ڈھال چرائی تھی جس کی قیمت تین درہم تھی۔

یہ حدیث ابو داؤد کے علاوہ مسند احمد اور نسائی میں بھی ہے اور اسی کے راوی بخاری و مسلم کے راوی ہیں۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ چور کسی کے گھر کے علاوہ اگر کسی عام داخلے والی جگہ مثلاً مسجد وغیرہ سے چوری کرے تو اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیا جائے گا اور یہ بھی ثابت ہوا کہ چور کا ہاتھ کاٹنے کے لیے بند دروازے کو کھول کر چوری کرنا یا کسی محافظ کی حفاظت سے چوری کرنا

شرط نہیں کیوں کہ عورتوں کے صفہ میں یہ شرائط ثابت نہیں۔

حاکم کے پاس مقدمہ پیش کرنے کے بعد مال کا مالک بھی چور کو معاف نہیں کر سکتا

عن عمرو بن دینار عن طاؤس عن صفوان بن امیة انه سرقت خمیصة من تحت رأسه و هو نائم فی مسجد النبی صلی اللہ علیه وسلم فاخذ اللص فجاء به الی النبی صلی اللہ علیه وسلم فامر بقطعه فقال صفوان اتقطعه قال فهلاقبل ان تاتینی به ترکته

(نسائی ص 251 ج 2)

حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں سوئے ہوئے تھے کہ کسی نے ان کے سر کے نیچے سے چادر چرا لی۔ انھوں نے چور کو پکڑ لیا اور اسے لا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کر دیا۔ آپ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ صفوان نے کہا: کیا آپ اس کا ہاتھ کاٹ دیں گے؟ آپ نے فرمایا تو میرے پاس لانے سے پہلے تم نے اسے کیوں نہیں چھوڑ دیا۔

عن ابن طاؤس عن طاؤس عن صفوان بن امیة قال... فاتیت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فقلت یا رسول اللہ ان هذا سرق خمیصة لی لرجل معه فامر بقطعه فقال یارسول اللہ انی قد وهبتها له قال فهلا قبل ان تاتینی به (مسند احمد ج6ص :465-466)

یعنی مسند احمد میں ہے کہ صفوانؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میں نے ایک آدمی کے متعلق جو میرے ساتھ تھا کہا: یارسول اللہ! اس نے میری ایک چادر چرائی ہے تو آپ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا۔ صفوانؓ نے کہا: یارسول اللہ! میں نے یہ چادر اسے ہبہ کر دی۔ آپ نے فرمایا: تم نے اسے میرے پاس لانے سے پہلے کیوں ایسا نہیں کیا؟

یہ حدیث صحیح ہے اور مسند احمد کی روایت کے رجال بخاری مسلم کے راوی ہیں۔

طاؤس کے علاوہ صفوان بن امیہ سے کئی اور اصحاب نے بھی یہ روایت بیان کی ہے جن میں بعض میں وہ چادر اس کے پاس بیچنے کا ذکر بھی ہے۔ یہ طرق ابو داؤد' نسائی' ابن جارود' حاکم' بیہقی وغیرہ میں موجود ہیں۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حاکم کے پاس جرم ثابت ہو جانے کے بعد چور کو قطع ید سے بچانے کی کوئی صورت نہیں۔ مال کا مالک بھی اسے نہیں چھوڑ سکتا خواہ وہ چیز اسے ہبہ کر دے۔ ہاتھ بہر صورت کاٹ دیا جائے گا۔

قانون حنفی میں چوری کی حد ختم کرنے والی دفعات

قانون حنفی کے ماخذ

اب میں وہ دفعات پیش کرتا ہوں جن کے ذریعے قانون حنفی میں چوری کی حد معطل کی گئی ہے۔ اس کے لیے میں نے صرف ہدایہ اور فتاویٰ عالمگیری کو ماخذ بنایا ہے۔ کیوں کہ یہ دونوں کتابیں حنفی حضرات کے ہاں معتبر سمجھی جاتی ہے۔ ہدایہ کے متعلق مولانا عبدالحی لکھنوی نے مقدمہ حاشیہ ہدایہ میں ایک شعر نقل کیا ہے جس سے حنفی حضرات کے ہاں دوسری کتابوں کے مقابلے میں اس کتاب کا مقام معلوم ہوتا ہے ؎

ان الهداية كالقران قد نسخت
ما صنفوا قبلها في الشرع من كتب

یعنی ہدایہ قرآن کی طرح ہے کہ اس نے اپنے سے پہلے شریعت میں لکھی گئی تمام کتابوں کو منسوخ کر دیا ہے۔

اور فتاویٰ کی ابتدا میں مآثر عالمگیری کے حوالے سے لکھا ہے کہ:۔

”سلطان اورنگ زیب عالمگیری کی توجہ دینی امور کی طرف بہت تھی۔ ان کا ارادہ یہ ہوا کہ لوگ فروع حنفیہ کے مفتی بہا مسائل پر عمل کریں مگر انھوں نے دیکھا کہ ایسا کرنا مشکل ہے کیوں کہ مسائل مختلف کتابوں میں بکھرے ہوئے ہیں اور ان میں کئی خلافیات ہیں اور کئی ضعیف روایات سے نقل شدہ مسائل۔ چنانچہ انھوں نے یہ مشکل دور کرنے کی ذمہ داری ہندوستان کے مشہور علما کے سپرد کی جنھوں نے سلطان کے دارالکتب میں موجود مذہب حنفی کی مبسوط کتب سے تحقیق و جستجو کے ساتھ مسائل اخذ کیے۔ ساتھ ساتھ اس کتاب کا بھی ذکر کر دیا جو اس مسئلہ کی ماخذ ہے اور ایک ایسی کتاب مرتب فرمادی جس میں وہ سب مسائل جمع ہیں جن کی فتویٰ کے لیے ضرورت ہوتی ہے۔ تاکہ دوسرے فتاویٰ کی ضرورت نہ رہے۔ اس کام کی نگرانی سلطان نے مولانا نظام کے ذمے لگائی اور علمائے مؤلفین کے وظائف اور دوسری ضرورتوں کے لیے

تقریباً دولاکھ روپیہ خرچ کیا۔"

عالمگیری کے جس نسخہ سے میں نے حوالے لکھے ہیں وہ مطبع احمدی میں 1278ھ میں چھپا ہے۔ ہدایہ کا نسخہ ملک سراج دین اینڈ سنز لاہور کا طبع کردہ ہے۔

اصلی حنفی قانون کی تعیین

میں نے حنفی قانون نقل کرنے میں اس بات کا التزام کیا ہے کہ نقل کردہ قول ہدایہ یا عالمگیری میں بطور مسلمہ قانون کے بیان کیا گیا ہو۔ چند مقامات جہاں قانون نقل کرنے کے بعد صاحب مذہب سے ان کے کسی شاگرد کا اختلاف نقل کیا گیا ہے وہاں میں نے کسی شاگرد کے قول کو اصل مذہب قرار نہیں دیا کیوں کہ ایسے مقامات پر تین صورتیں ممکن ہیں :

1. ایک صورت یہ ہے کہ شاگردوں کے قول کو اصل حنفی قانون قرار دیا جائے اور خود صاحب مذہب کا قول حنفی قانون ہونے سے انکار کر دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا کیوں کہ اس صورت میں تقلید صاحب مذہب کی نہیں ہو گی بلکہ ان کے شاگردوں کی ہو گی جو کوئی مخلص مقلد گوارا نہیں کر سکتا۔ قانون بھی پھر ابو یوسفی یا زفری وغیرہ کا ہوگا اسے حنفی قانون نہیں کہا جا سکتا۔

2. دوسری صورت یہ ہے کہ صاحب مذہب اور ان کے شاگردوں کے باہم متضاد اقوال کو قانونِ حنفی ہونے میں برابر کا درجہ دیا جائے۔ اس صورت میں دونوں پر عمل تو ہو نہیں سکتا۔ ایک کو ہی اصل حنفی قانون قرار دے کر اس پر عمل ہو سکتا ہے۔ مگر وہ مفتی صاحب کون ہوں گے جو یہ فریضہ سر انجام دیں گے اور انھیں یہ منصب کس نے تفویض کیا ہے ؟ صاحب مذہب اور ان کے شاگردوں نے یا احناف نے ؟ ظاہر بات ہے کہ ایسا صاحب فتویٰ ایک بھی نہیں جسے خود صاحب مذہب کے مقلدین کسی شخص کے ثالث ہونے کی حیثیت پر متفق ہیں۔ کم از کم مجھے کوئی ایسی ہستی معلوم نہیں ہو سکی جو مفتی بہ قول کی تعیین کا حق تمام احناف کے نزدیک رکھتے ہوں اور ان کے مفتی بہ قرار دادہ قول سے کسی نے اختلاف نہ کیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ کسی علاقے میں مفتی بہ قول کچھ ہوگا اور کسی علاقے میں کچھ اور کسی شہر میں اس قول پر عمل ہو رہا ہو گا جس سے حد واجب ہے اور کسی میں اس پر حد واجب نہیں بلکہ ایک

ہی شہر میں ایک قاضی حد واجب قرار دے گا تو دوسرا ساقط کر دے گا اور بعض اوقات ایک ہی قاضی چاہے تو ایک قول پر حد نافذ کر دے گا اور چاہے گا تو دوسرے صاحب کے قول کی رو سے حد ختم کر دے گا۔ پھر کوئی شخص ان اصحاب فتاویٰ پر مواخذہ بھی نہیں کر سکتا۔ کیوں کہ صاحب مذہب اور ان کے شاگردوں کے باہم متضاد اقوال کو حنفی قانون ہونے میں برابر کا درجہ دیا گیا ہے۔ ایک ہی شخص پر حد واجب ہونا بھی قانون حنفی ہے اور اس شخص پر حد ساقط ہونا بھی قانون حنفی' اس صورت کا نتیجہ حد کی تنفیذ میں شریف وضعیف کے امتیاز کے علاوہ کیا نکل سکتا ہے؟

3. تیسری صورت یہ ہے کہ صاحب مذہب اور ان کے شاگردوں کے باہم متضاد اقوال میں سے صرف صاحب مذہب کے خول کو قانون حنفی قرار دیا جائے کیوں کہ اس کی نسبت انہی کے نام کی طرف ہے اور انہی کی تقلید بھی کی جاتی ہے اور قانون حنفی کی تعیین کے لیے قابل عمل بھی یہی ہے۔ اس لیے میں نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

بعض حضرات کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ اقوال جو ابو یوسف' محمد اور زفر وغیرہ کی طرف منسوب ہیں در حقیقت صاحب مذہب کے اقوال ہی ہیں کیوں کہ ان کے بعض اوقات ایک مسئلہ میں کئی قول ہوتے ہیں مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ کئی مقامات پر صاحب مذہب (امام ابو حنیفہؒ) کے دو دو' تین تین اقوال نقل کیے جاتے ہیں۔ اور سب ان ہی کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ یہاں ایسی کون سی ضرورت پیش آئی کہ ان کے اقوال' ان کی طرف منسوب کرنے کی بجائے ان کے شاگردوں کی طرف منسوب کر دیے گئے؟ حقیقت یہی ہے کہ ابو یوسف' محمد' زفر وغیرہ کے اقوال خود انہی حضرات کے اقوال ہیں ورنہ انھیں ان کی طرف کبھی منسوب نہ کیا جاتا۔ ان اقوال کا ابو حنیفہؒ کے اقوال ہونے کی دلیل ہرگز نہیں ملتی۔ یہ صرف بے دلیل دعوے ہیں جو حقیقت کے ترازو میں پر کاہ وزن نہیں رکھتے۔

ائمہ ثلاثہ کے اقوال کا ماخذ

دوسرے ائمہ کرام کے اقوال میں نے وزیر بن ہبیرہ رحمہ اللہ التوفی 560ھ کی کتاب " الافصاح عن معانی الصحاح" سے نقل کیے ہیں' کیوں کہ اس میں چاروں اماموں کے متفق علیہ اور مختلف فیہ مسائل جمع کر دیے گئے ہیں۔ مصنف نے اپنے زمانہ وزارت میں چاروں مذاہب کے علما کو تمام عالم اسلام سے جمع کر کے ان کی تصدیق و تصویب

سے یہ کتاب لکھی اور اس مقصد کے لیے انھوں نے اس زمانہ میں ایک لاکھ تیرہ ہزار دینار کی خطیر رقم خرچ کی۔ ائمہ ثلاثہ کے اقوال معلوم ہونے کے علاوہ ہدایہ اور عالمگیری میں امام ابو حنیفہ کے اقوال کی طرف نسبت کی مزید تصدیق بھی اس کتاب سے ہوتی ہے۔ بعض مقامات پر ائمہ ثلاثہ کے اقوال دوسری کتابوں سے بھی نقل کیے گئے ہیں اور باقاعدہ حوالہ دیا گیا ہے۔

اگرچہ چوری کے لیے اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حد باطل کرنے کے لیے قانون حنفی میں ایسی دفعات موجود ہیں جن سے قاضی کی طرف سے ہاتھ کاٹ دینے کے فیصلے کے بعد بھی چور کی حد ختم کر دی گئی ہے۔ تاہم چوں کہ ان سے حد سرقہ کا رد کرنا بالکل ہی واضح ہے۔ اس لیے اس نوبت تک پہنچنے سے پہلے پہلے اسے ختم کرنے کی کئی صورتیں تیار کی گئی ہیں کیوں کہ غیر محسوس طریقے سے اگر حد ختم ہو جائے تو کھلم کھلا انکار کر کے نشانہ ملامت بننا کون سا ضروری ہے۔ فیصلے کے بعد حد ختم کرنے کی دفعات اس بحث کے آخر میں آئیں گی۔

دیر سے پہنچنے والی گواہی کا ناقابل قبول ہونا

واذا شهد عليه الشهود بسرقة او بشرب خمر او بزناء بعد حين لم يوخذ به و ضمن السرقة والاصل ان الحدود الخالصة حقا لله تعالىٰ تبطل بالتقادم (هدايه ص 216 ج 2)

"اگر گواہ کچھ مدت کے بعد چوری' شراب نوشی یا زنا کی گواہی دیں تو اس کے ساتھ مواخذہ نہیں کیا جائے گا اور وہ چوری کا ضامن ہو گا اور اصل یہ ہے کہ وہ حدود جو خالص اللہ تعالیٰ کا حق ہیں قدیم ہونے کے ساتھ باطل ہو جاتی ہیں۔"

وہ مدت جس کے بعد پہنچے تو شہادت قبول نہیں ہو گی

و اختلفوا فی حد التقادم واشار فی الجامع الصغیر الی ستة اشهر فانه قال بعد حین و هكذا اشار الطحاوی .... و ابو حنیفة لم یقدر فی ذلك و فوضه الی رای القاضی فی كل عصر و عن محمد انه قدره بشهر لان ما دونه عاجل و هو روایة عن ابی حنیفة و ابی

یوسف و هو الاصح و هذا اذا لم یکن بین القاضی و بینهم مسیرة شهرا ما اذا کان تقبل شهادتهم (هداية ص 216 ج 2)

''ائمہ احناف نے شہادت پرانی ہونے کے لیے مقرر کردہ مدت میں اختلاف کیا ہے۔ جامع صغیر میں اشارہ کیا ہے کہ یہ مدت چھ ماہ ہے' کیوں کہ انھوں نے ''بعد حین'' کہا ہے۔ طحاوی نے بھی ایسے ہی اشارہ کیا ہے اور ابو حنیفہ نے اس میں کوئی مدت مقرر نہیں کی اور اسے ہر زمانے میں قاضی کی رائے کے سپرد کر دیا اور محمد سے روایت ہے کہ انھوں نے تقادم (پرانا ہونے) کی مدت کا اندازہ ایک ماہ قرار دیا ہے۔ کیوں کہ اس سے کم (مدت میں ادا کی جانے والی شہادت) ''جلدی'' ہے اور ابو حنیفہ اور ابو یوسف سے بھی ایک روایت یہ ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ یہ اس وقت ہے جب قاضی اور گواہوں کے درمیان ایک ماہ کا فاصلہ نہ ہو۔ ہاں اگر اتنا فاصلہ ہو تو ان کی شہادت قبول کی جائے گی۔''

شہادت کو دیر سے پہنچنے کی بنا پر مسترد کرنا نہ اللہ کا حکم ہے' نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا' نہ اس پر اجماع امت ہے' نہ قیاس صحیح اس کی تائید کرتا ہے۔ اگر دیر سے پہنچنے والی شہادت اس بنا پر رد کی جا رہی ہے کہ گواہوں نے دشمنی کی بنا پر شہادت نہ دی ہو یا کوئی سازش نہ گھڑی ہو تو اس کے امکانات تو جلدی والی شہادت میں بھی موجود ہیں۔ پھر تو ہر شہادت ہی رد کیے جانے کے قابل ہے۔

''ادرأو الحدود بالشبهات'' سے بے بنیاد شبہات مراد لینا درست نہیں' ویسے اس روایت کی حقیقت پر مستقل گزارشات آگے آئیں گی۔ ان شاء اللہ..!

پھر قدیم ہونے کے لیے چھے ماہ کے تو صرف اشارے ہیں' صاف روایتیں دو ہیں۔ ایک روایت ایک ماہ کی اور دوسری قاضی کی رائے پر چھوڑنے کی۔ اب قاضی کو غیر محدود اختیارات حاصل ہو گئے۔ ملزم کو پھنسانا چاہے تو مہینے تک پھنسا دے چھوڑنا چاہے تو ایک دن دیر سے آنے والے گواہوں کو ''بقول صاحب ہدایہ فاسق'' قرار دے کر ان کی شہادت رد کر کے ملزم کو چھوڑ دے۔ بے شک ایک ماہ کی روایت کو اصح کہا گیا ہے مگر رائ

قاضی والی روایت صحیح ہونے سے انکار نہیں کیا گیا اور اگر ایک ماہ کی مدت کو ہی صحیح قرار دیا جائے تو یہ بھی صاف شریعت سازی ہے کہ انتیسویں دن تک پہنچنے والی گواہی تو تازہ بتازہ ہے مگر تیسویں دن والی گواہی پرانی ہے۔ تقادم کی یہ حد اگر کوئی مقرر کر سکتا ہے تو صرف صاحب شرع نہ کہ احبار و رہبان اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت میں اس حد تقادم کا وجود ہی نہیں۔

خالص اللہ کے حقوق والی حدود میں تقادم سے حد باطل کرنے میں ائمہ ثلاثہ امام مالک، شافعی احمد رحمہم اللہ میں سے کوئی بھی امام ابو حنیفہؒ کا ہم نوا نہیں۔ چنانچہ ''الافصاح'' میں ہے:

"واتفقوا على ان الشهادة فى الحال تسمع على القذف والزنا و شرب الخمر... واختلفوا فيما اذا مضى على وقت المواقعة لذلك حين فقال ابو حنيفة لا تسمع ذلك بعد تطاول المدة اذا لم يقطعهم عن اقامة البينة بعدهم عن الامام قال الباقون تسمع"

(الافصاح ص 243 ج 2)

(چاروں اماموں نے) اتفاق کیا ہے کہ قذف، زنا اور شراب نوشی پر فی الحال (اسی وقت دی جانے والی) شہادت مسموع ہوگی اور اس صورت میں اختلاف کیا ہے جب ان کے واقع ہونے پر کچھ وقت گزر جائے تو ابو حنیفہؒ نے کہا کہ مدت گزرنے کے بعد نہیں سنی جائے گی۔ جب انھیں گواہی پیش کرنے سے امام سے دور ہونا رکاوٹ نہ بنا ہو اور باقی ائمہ نے کہا کہ سنی جائے گی۔

تنبیہ: قذف کے متعلق ابو حنیفہؒ کا مسلک بیان کرنے میں صاحب ہدایہ اور الافصاح کے بیان میں اختلاف ہے۔

بعض اشیاء کو معمولی قرار دے کر ان کی چوری پر حد باطل کرنا

حنفی قانون میں ایک لمبی فہرست ان اشیاء کی بتائی گئی ہے جو ان قانون ساز حضرات کے نزدیک مالیت نہیں رکھتیں اس لیے ان کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا خواہ فی الواقع وہ لاکھوں روپے کی قیمت کی ہوں۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے:

ولایقطع فیما یوجد تافھا مباحا فی دارالسلام کالخشب والحشیش والقصب والسمك والطیر والصید والزرنیخ والمغرة والنورة (ھدایه ص 235ج 2 عالمگیری ص 62ج 2)

جو چیزیں دارالسلام میں حقیر اور مباح ہونے کی حالت میں پائی جاتی ہیں ان کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا جیسے کہ لکڑی گھاس سرکنڈا، مچھلی، ہڑتال، گیرو اور چونا۔

حد باطل کرنے کا عذر

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"کانت الید لا تقطع علی عھد رسول اللہ فی الشیء التافة"

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں معمولی چیز پر ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تھا"

چونکہ ہاتھ اس چیز میں کاٹا جاتا ہے جو مالیت رکھتی ہو اور مذکورہ چیزیں حقیر ہیں اور دارالسلام میں فی الاصل مباح پائی جاتی ہیں اور اس صورت میں ان کی طرف رغبت بہت کم ہوتی ہے لہٰذا ان کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

رد عذر

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خود ہی واضح فرمادیا کہ "تافہ" شے سے کیا مراد ہے۔ چنانچہ انھوں نے مندرجہ بالا الفاظ کے بعد فرمایا ہے کہ "اور ڈھال سے کم قیمت میں چیز میں ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تھا" حدیث کے الفاظ پیچھے گزر چکے ہیں۔ حضرت عائشہؓ کا مطلب تافہ چیز سے وہ ہے جو ڈھال سے کم قیمت ہو نہ کہ حنفی حضرات کی بنائی ہوئی فہرست۔

اس میں شک نہیں کہ مندرجہ بالا چیزیں اگر کسی کی ملکیت میں نہ ہوں تو انھیں لے جانے والا چور رہے ہی نہیں کیوں کہ اس نے ایک ایسی چیز لی جو سب لے سکتے تھے البتہ یہ کہنا کہ اگر یہ چیزیں کسی کی ملکیت اور حفاظت میں ہوں اور چوری کرنے والا ربع دینار یا بقول احناف دس درہم سے زائد قیمت کی چیز چرالے خواہ وہ لاکھوں روپے کی ہو اس وقت بھی وہ

حقیر ہے اور اسے چرانے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ بالکل بے بنیاد بات ہے۔ اس وقت نہ وہ معمولی ہے، نہ حقیر اور نہ سب کے لیے مباح۔ یہ نہ کتاب اللہ کا حکم ہے، نہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ اجماع امت نہ قیاس صحیح۔

لکڑی کی چوری کی تفصیل

اوپر گزر چکا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک لکڑی کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ امام صاحب نے اس میں سے چار قسم کی لکڑی مستثنیٰ قرار دی ہے کہ ان کی چوری پر ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔

" و یقطع فی الساج والقنا والآبنوس والصندل " (ھدایہ ص 237 ج 2)

"یعنی ساگوان، قنا (جس سے نیزے بنتے ہیں) آبنوس اور صندل میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔"

اس سے معلوم ہوا کہ کیکر، شیشم، شہتوت، کیل، دیار، چلغوزہ اور دوسرے درختوں کی لکڑی کی چوری کرنے والے ٹمبر مارکیٹیں بھی خالی کر دیں، حنفی قانون کی رو سے قطع ید سے محفوظ رہیں گے۔

ائمہ ثلاثہ کا فتویٰ

"واختلفوا فی وجوب القطع بسرقة الخشب اذا بلغ قیمته نصابا فقال مالك والشافعی واحمد یجب القطع فی ذلك علی الاطلاق.. و قال ابوحنیفة لا یجب القطع الا فی الساج والآبنوس والصندل والقنا" (الافصاح ص 260 ج 2)

"اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے کہ لکڑی کی چوری میں جب اس کی قیمت نصاب کو پہنچ جائے تو اس میں ہاتھ کاٹنا واجب ہے یا نہیں تو مالک، شافعیؒ اور احمدؒ نے کہا: اس میں علی الاطلاق (ہر طرح کی لکڑی میں) ہاتھ کاٹنا واجب ہے اور ابو حنیفہ نے کہا: ہاتھ کاٹنا واجب نہیں مگر ساگوان، آبنوس، صندل اور قنا میں"

☆☆☆☆☆

لکڑی کے تیار کردہ دروازے اور فرنیچر

و ان جعل من الخشب الذی لا قطع فیه بابا او کرسیا او سریرا یجب القطع بسرقة. کذا فی المحیط (عالمگیری ص 63 ج 2)

اگر اس لکڑی سے جس میں ہاتھ نہیں کاٹا جاتا کوئی شخص دروازہ یا کرسی یا چارپائی بنالے تو اس کی چوری پر ہاتھ کاٹنا واجب ہے۔

قانون حنفی میں اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ صنعت (کاری گری) کی وجہ سے اب لکڑی قیمتی بن گئی ہے، حقیر نہیں رہی مگر قیمتی تسلیم کر لینے کے بعد تیار شدہ دروازوں کی چوری پر حد باطل کرنے کے لیے کچھ اور ضابطے وضع کیے گئے ہیں۔

وہ دروازے جن کی چوری پر حد واجب نہیں

وانما یقطع فی الابواب اذا کانت فی الحرز و کانت خفیفة لا یثقل حملها علی الواحد لانه لا یرغب فی سرقة الثقیل من الابواب و ان کانت مرکبة علی الباب لا یقطع کذا فی التبیین

(عالمگیری ص 63 ج 2)

"دروازوں کی چوری میں ہاتھ صرف اس وقت قطع کیا جائے گا جب وہ محفوظ جگہ میں ہوں اور اتنے ہلکے ہوں کہ ایک آدمی پر ان کا اٹھانا بھاری نہ ہو کیوں کہ بھاری دروازے چرانے کی رغبت نہیں اور اگر وہ دروازے میں جڑے ہوئے ہیں تو پھر بھی ہاتھ قطع نہیں کیا جائے گا"

اس سے تین باتیں معلوم ہوئیں:

1. ہاتھ صرف ان دروازوں کے چرانے پر کاٹا جائے گا جو اتنے ہلکے ہوں کہ ایک آدمی بآسانی اٹھا کر لے جا سکے۔
2. اگر دروازے ایک آدمی پر اٹھانے میں بھاری ہوں تو ان کی چوری پر حد نہیں کیوں کہ ان کی چوری کی رغبت نہیں ہوتی۔

فرمایئے ہزاروں بلکہ بعض اوقات لاکھوں روپے کی مالیت کے بھاری دروازے

جنھیں دو یا تین آدمی اٹھا کر یا ٹرک میں ڈال کر لے جائیں تو کیا ان پر آیت: ﴿السارق والسارقة فاقطعوا ایدیھما﴾ لاگو نہیں ہوتی یا صرف بھاری ہونے کی وجہ سے ان کی مالیت ختم ہو گئی ہے کہ ربع دینار کی چوری میں حد ہے مگر ہزاروں روپوں کے دروازوں میں حد نہیں۔ چھوٹے دروازوں کی چوری میں ہاتھ کاٹنا اور بڑے دروازوں کو چرانے میں حد ختم کرنا پہلے لوگوں کے ضعیف اور شریف چوروں میں فرق کا آئینہ دار تو نہیں کہ بڑے دروازوں کی چوری بڑے لوگ ہی کر سکتے ہیں' ضعیفوں میں یہ جرأت و ہمت کہاں؟

اور یہ جو کہا گیا ہے کہ بھاری دروازے چرانے کی رغبت نہیں ہوتی اس میں وضاحت نہیں کی گئی کہ کسے رغبت نہیں ہوتی؟ اگر یہ بات ہے تو انھیں ہلکے دروازوں کی چوری کی بھی رغبت نہیں ہوتی اور اگر آپ کہیں کہ چوروں کی رغبت نہیں ہوتی تو ساتھ ہی یہ بھی واضح کرنا چاہیے کہ پھر وہ اتنی تکلیف کیوں فرماتے ہیں؟ کیا وہ رغبت کے بغیر ہی اپنی راتوں کی نیند اور آرام حرام کرتے ہیں؟

3 دیوار میں لگے ہوئے دروازے چرانے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا

فرمائیے! یہ کس آیت یا حدیث کا ترجمہ ہے؟ ایک شخص نے لاکھوں روپے کا مکان بنایا' اس میں بہترین لکڑی کے دروازے لگا کر تالے لگا دیے۔ اس سے زیادہ حفاظت وہ کیا کر سکتا تھا۔ چوروں نے دیواروں سے دروازے ہی نکال لیے۔ چور پکڑے گئے جرم بھی ثابت ہو گیا مگر وہ بے فکر رہیں۔ قانون حنفی ان کی دست گیری کا ضامن ہے اور انھیں اللہ تعالیٰ کی حد سے بچانے کا ذمہ دار۔

مختلف قسم کے پتھروں، سنگ مرمر اور شیشے کی چوری پر حد ختم کرنا

و لا قطع فی الحجارة کذا فی السراج الوهاج ولا یقطع فی الرخام...و ظاهر الروایة فی الزجاج انه لا یقطع کذا فی فتح القدیر

(عالمگیری ص 62 ج 2)

پتھروں میں ہاتھ کاٹنا نہیں ہے۔۔۔ سنگ مرمر کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔۔۔ اور شیشے کے متعلق ظاہر روایت یہ ہے کہ ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

عذر: یہ چیزیں دارالسلام مین مباح اور مٹی میں ملی ہوئی ملتی ہیں۔ ہر شخص اٹھا سکتا ہے۔ اس لیے ان کی چوری پر حد نہیں۔

اس عذر کی حقیقت پیچھے واضح ہو چکی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی کی ملکیت سے سنگ مرمر' شیشہ اور دوسری قیمتی پتھر چرا کر اسے زندگی بھر کے اثاثے سے محروم کر دینے کے باوجود چور کے ہاتھ نہ کاٹنا صریح ظلم ہے۔ یہ نہ قرآن ہے' نہ سنت' نہ اجماع' نہ منصفانہ قیاس بلکہ نری سینہ زوری ہے۔

ائمہ ثلاثہ کا موقف

فقہ حنبلی کی مشہور کتاب "المغنی" میں امام احمدؒ کا مسلک بیان کرتے ہوئے لکھا ہے

"وما عداهذا من الاموال ففيه القطع سواء كان طعاما او ثيابا او حيوانا او حجارا او قصبا او صيدا او نورة او جصا او زرنيخا او توابل او فخارا او زجاجا اوغيره و بهذا قال مالك والشافعي وابوثور" (المغنی لابن قدامة ص 246 ج 8)

اس کے علاوہ جو مال بھی ہو اس میں ہاتھ کاٹا جائے گا برابر ہے طعام ہو یا کپڑے یا جانور یا پتھر یا سرکنڈا یا شکار یا قلعی یا چونا یا ہڑتال یا گرم مصالحے یا ٹھیکرے یا شیشہ یا ان کے علاوہ کوئی اور چیز اور مالکؒ شافعیؒ اور ابو ثورؒ نے بھی یہی فرمایا ہے۔

گوشت' دودھ' تر پھلوں اور دوسری جلدی خراب ہونے والی چیزوں کی چوری پر حد ختم کرنا

و لا قطع فيما يتسارع اليه الفساد كاللبن واللحم والفواكه الرطبة (هداية ص 235 ج 2)

جو چیزیں جلدی خراب ہو جاتی ہیں مثلاً دودھ' گوشت اور تر پھل' ان کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ولا فرق في عدم القطع باللحم بين كونه مملوحا قديدا او غيره كذا

فی فتح القدیر (عالمگیری ص 63ج 2)

"گوشت خواہ نمک لگا کر خشک کیا ہو یا دوسرا ہاتھ نہ کاٹنے میں 7ں ہے۔"

حد باطل کرنے کا عذر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "**لا قطع فی ثمر ولا کثر**" یعنی پھل اور کھجور کے گودے میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ پھل چونکہ جلدی خراب ہو جاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ جلدی خراب ہونے والی کسی چیز کی چوری پر حد نہیں۔ علاوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے **لا قطع فی الطعام** یعنی طعام (کھانے کی چیز) میں قطع ید نہیں ہے اور طعام سے مراد تیار شدہ کھانا ہے یا اس جیسی جلدی خراب ہونے والی چیز ہو۔

ردِ عذر

1. سب سے پہلے تو یہ قیاس ہی فاسد ہے کیوں کہ پھل پر صرف جلدی خراب ہونے والی اشیاء کا ہی نہیں بلکہ جلدی خراب نہ ہونے والی چیزوں کا بھی قیاس کرنا چاہیے تھا کیوں کہ ہر پھل جلدی خراب نہیں ہوتا بلکہ کئی پھل خواہ آپ درخت سے توڑیں برسوں خراب نہیں ہوتے مثلاً پستہ' اخروٹ' بادام' چلغوزہ وغیرہ۔ تو اگر جلدی خراب ہونے والی چیزوں کی چوری کی حد جلدی خراب ہونے والے پھلوں کو بہانہ بنا کر باطل کی گئی ہے تو دیر تک محفوظ رکھی جانے والی چیزوں مثلاً گندم' جو' چنے اور دوسری اجناس کی چوری کی حد جلدی خراب نہ ہونے والے پھلوں کے بہانہ سے ختم کرنی چاہیے تھی تاکہ آگے آنے والی شقوں کی ضرورت ہی نہ رہتی۔

2. دوسری بات یہ ہے کہ یہ کہنا بھی غلط ہے کہ پھل کی چوری میں ہاتھ نہ کاٹنے کی وجہ یہ ہے کہ پھل جلدی خراب ہو جاتا ہے کیوں کہ اگر کوئی شخص پھلوں کے ڈھیر میں سے جلدی خراب ہونے والا پھل بھی چرائے اور وہ نصاب کو پہنچ جائے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اور اگر کوئی شخص درخت پر سے خشک پھل بھی چرائے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اس کی تفصیل اگرچہ احادیث کے بیان میں گزر چکی ہے۔ تاہم ایک حدیث

یہاں بھی ذکر کی جاتی ہے جس سے پھل کی چوری کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی وضاحت سامنے آجائے گی۔

عن عبداللہ بن عمرو بن العاص عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انه سئل عن الثمر المعلق فقال من اصاب بفیه من ذی حاجة غیر متخذ خبنة فلا شیء علیه و من خرج بشیء منه فعلیه غرامة مثلیه والعقوبة ومن سرق منه شیئا بعد ان یوؤیه الجرین فبلغ ثمن المجن فعلیه القطع

(سنن ابی داؤد ص 603)

”عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درختوں پر لگے ہوئے پھل کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا جو کوئی ضرورت منداس میں سے کھالے جھولی بنا کر ساتھ نہ لے جائے اس پر کوئی چیز نہیں اور جو اس میں سے کچھ لے جائے اس پر اس سے دوگنا جرمانہ اور سزا ہوگی اور جو شخص پھل کے جمع کرنے کی جگہ میں پہنچائے جانے کے بعد اس میں سے چوری کرے اور وہ ڈھال کے قیمت کو پہنچ جائے تو اس پر ہاتھ کاٹنا لازم ہے۔“

ثابت ہوا کہ تر پھل کی چوری میں حد ختم نہیں کی گئی صرف درخت پر سے توڑنے کی صورت میں حد نہیں ہے۔ اگر اس جگہ سے چرائے جہاں پھل جمع کیے گئے ہیں تو خواہ تر ہوں یا خشک 'نصاب کو پہنچنے کی صورت میں ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ تو پھل جس کو بنیاد بنا کر حنفی قانون دوسری جلدی خراب ہونے والی چوری کی حد باطل کی ہے خود اس کے ڈھیر میں سے نصاب یا اس سے زائد کی مقدار کی چوری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کاٹنا لازم قرار دیا ہے تو دودھ 'گوشت اور تیار شدہ کھانے کی چوری سے آپ حد کس طرح ختم کر سکتے ہیں؟

3. حدیث **لا تقطع فی الطعام** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ اور اگر ثابت مانی جائے تو پھر اسے تیار شدہ کھانے سے خاص کرنا بلا دلیل اور خانہ زاد بات ہے۔ پھر ہر کھانے والی چیز کی چوری سے حد ختم کرنا پڑے گی۔ جو خود احناف بھی صاف لفظوں میں کہنے سے گریز کرتے ہیں۔

ائمہ ثلاثہ کا موقف

واختلفوا فی القطع بسرقة ما یسرع الیه الفساد فقال مالك والشافعی و احمد: یجب القطع فیه اذا بلغ الحد الذی یقطع فی مثله بالقیمة وقال ابو حنیفة :لا یجب القطع فیه و ان بلغت قیمة مایسرق منه نصابا (الافصاح ص 251 ج 2)

اور ان چیزوں کی چوری میں ہاتھ کاٹنے کے متعلق ائمہ نے اختلاف کیا ہے جو جلدی خراب ہو جاتی ہیں تو مالکؒ شافعیؒ اور احمدؒ نے کہا: جب اس حد کو پہنچ جائے جس کی ہم قیمت اشیاء میں ہاتھ کاٹا جاتا ہے تو ہاتھ کاٹنا واجب ہے اور ابو حنیفہؒ نے کہا: اس میں ہاتھ کاٹنا واجب نہیں اگرچہ اس میں سے چوری کی ہوئی چیز نصاب کو بھی پہنچ جائے۔

معلوم ہوا کہ اس ضابطے میں احناف کو قران و سنت کی نصوص رد کرنے کے ساتھ ساتھ ائمہ ثلاثہ کی مخالفت کا سامنا بھی ہے۔

کھانے کے ساتھ برتن چرانے پر حد ختم کرنا

ولا فی الاناء و قدر فیه طعام کذا فی العتابیة (عالمگیری ص 63 ج 2)

جس برتن میں یا ہانڈی میں کھانا ہو اس کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ولو سرق اناء فضة قیمته مائة و فیه نبیذ او طعام لا یبقی اولبن لا یقطع و انما ینظر ما فی الاناء (عالمگیری ص 63 ج 2)

اگر کوئی شخص چاندی کا برتن چرا لے جس کی قیمت سو (100) ہے اور اس میں نبیذ یا کھانے کی ایسی چیز ہو جو باقی نہیں رہتی یا دودھ ہو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ صرف وہ چیز دیکھی جائے گی جو برتن میں ہے۔

ہزاروں روپے کی دیگیں اور دوسرے قیمتی برتن چرانے کا حیلہ یہ بتایا گیا ہے کہ اس وقت چراؤ جب ان میں کھانے کی کوئی چیز "نبیذ یا دودھ ہو حد سے بچ جاؤ گے۔ کتاب و سنت کی رو سے یہ شخص نصاب سے زیادہ مال چرا رہا ہے تو اب اس سے حد ختم کرنا اللہ کے فرمان

﴿والسارق والسارقة فاقطعوا ایدیھما﴾ کو معطل کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

قرآن مجید کے نسخوں کی چوری پر حد ختم کرنا

و لا قطع فی سرقة المصحف و ان کان علیه حلیة تساوی الف درھم (عالمگیری ص 63 ج 2)

"قرآن مجید کے نسخے کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا' اگرچہ اس پر آرائش کا اتنا کام ہو جو ہزار درہم کے برابر ہو۔"

حد باطل کرنے کا عذر

قرآن مجید مال نہیں ہے' نہ اس کی کوئی قیمت ہو سکتی ہے اور ہاتھ اس چیز کی چوری پر کاٹا جاتا ہے جس کی کوئی مالیت ہو۔ علاوہ ازیں وہ کہ سکتا ہے کہ میں نے پڑھنے کے لیے چرایا ہے اور قرآن مجید پڑھنا ہر شخص کا حق ہے۔ اس لیے اس کی چوری پر حد نہیں۔

ردِ عذر

قرآن مجید کے نسخے فروخت کرنا اور خریدنا بالاتفاق تمام مسلمانوں کے نزدیک جائز ہے۔ تو اگر قرآن مجید کے یہ نسخے مالیت ہی نہیں رکھتے تو انھیں بیچ کر خریدار سے پیسے لینا ناجائز طریقے سے مال کھانا ہو گا جو حرام ہے۔ پھر ظاہر ہے کہ جب کوئی شخص اسے خریدے گا تو بیچنے والے کی ملکیت سے نکل کر خریدنے والے کی ملکیت میں آجائے گا۔ اب چور اگر کسی کی ملکیت سے ربع دینار یا اس سے زائد قیمت کا قرآن مجید کا نسخہ چوری کرتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹنا واجب ہے۔ رہی یہ بات کہ قرآن مجید پڑھنا ہر شخص کا حق ہے تو یہ واقعی درست ہے مگر کسی کا قرآن مجید کا نسخہ چوری کرنا کسی شخص کا بھی حق نہیں۔ پڑھنے کے لیے اٹھانا ہوتا تو خرید لیتا یا اجازت کے ساتھ لیتا۔ اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے قرآن پڑھنے والے چوری نہیں کیا کرتے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہیں بھی قرآن مجید کے نسخے چوری کرنے والوں کو قطع ید سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا۔

اگر ایک منٹ کے لیے مان لیا جائے کہ قرآن مجید مال نہیں ہے تو گتے کاغذ سیاہی اور اس کی آرائش وغیرہ تو مال ہیں اور ان کی قیمت بھی ہے۔ چور چراتا بھی انہی چیزوں کے لیے

ہے۔ رہی یہ بات کہ یہ چیزیں تابع ہیں اس لیے حد معاف ہے تو یہ بات بھی بے دلیل ہے۔ نصاب کو پہنچی ہوئی چیز کی چوری پر خواہ وہ تابع ہو یا متبوع ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ تابع اور متبوع میں حد نہ ہونے اور ہونے کا فرق کتاب و سنت سے ثابت نہیں ہے' صرف ابطال حدود کا ایک حیلہ ہے۔

کتابوں کی چوری پر حد باطل کرنا اور اس کا عذر

ولا قطع فی الدفاتر کلها لان المقصود ما فیها و ذلك لیس بمال الا فی دفاتر الحساب (هدایه ص 237 ج 2)

"کتابیں چوری کرنے میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا خواہ کسی قسم کی ہوں کیوں کہ مقصود وہ چیز ہے جو ان میں ہے۔ اور وہ مال نہیں مگر حساب کی کتابوں میں۔"

یہ اہل علم پر کتنا ظلم ہے کہ ان کی زندگی سے بھی عزیز چیز جسے خریدنے کے لیے وہ عمر بھر کی کمائی خرچ کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے اور جان سے بڑھ کر اس کی حفاظت کرتے ہیں' کی چوری کو حد سے مستثنیٰ قرار دے دیا ہے اور دانشوری کی طغیانی دیکھیے۔ کہا جا رہا ہے کہ کتابوں سے مقصود وہ چیز ہے جو ان میں ہے اور وہ مال نہیں اور ساتھ ہی حساب کی کتابوں کی چوری پر حد لازم کی جا رہی ہے۔ حال آنکہ حساب کے رجسٹر میں لکھی ہوئی چیز بھی صرف حروف و الفاظ اور ہندسے ہوتے ہیں۔ ان حروف و الفاظ اور ہندسوں کو بھی مال نہیں کہا جا سکتا' مال کا علم کہا جا سکتا ہے۔ مال تو الماریوں اور تجوریوں میں ہے نہ کہ حساب کے رجسٹروں میں۔ فرمایے! ان الفاظ و حروف پر مشتمل رجسٹروں کو چرانے والے نے کون سے روپے چرائے ہیں کہ آپ اس کا ہاتھ کاٹ رہے ہیں؟

اگر ایک منٹ کے لیے مان بھی لیں کہ کتابوں سے مقصود جو چیز ہے وہ مال نہیں بلکہ علم ہے تو کتابوں کے گتے' کاغذ' سیاہی' کتابت کا خرچ وغیرہ تو بلا شبہ مال ہیں۔ ان کی چوری نصاب یا اس سے زائد ہو جائے تو اللہ کے حکم کے مطابق اس پر حد لازم ہو گی۔ ان چیزوں کو غیر مقصود قرار دے کر کتابوں کی چوری کو حد سے مستثنیٰ قرار دینا خواہ لاکھوں روپے

کی مالیت کی کتابیں ہوں دین میں زبردست جرأت ہے جس کی بنیاد قرآن وسنت کی کسی دلیل پر نہیں۔ صرف اتباع ہوئی پر ہے۔

ائمہ ثلاثہ کا موقف

فقہ حنبلی کی کتاب ''المغنی'' میں ہے:

''فان سرق مصحفا فقال ابوبکر والقاضی لا قطع فیه و هو قول ابی حنیفة لان المقصود منه ما فیه من کلام الله و هو مما لا یجوز اخذ العوض عنه واختار ابوالخطاب وجوب قطعه و قال هو ظاهر کلام احمد فانه سئل عمن سرق کتابا فیه علم لینظر فیه فقال کل ما بلغت قیمته ثلاثة دراهم فیه القطع و هذا قول مالك والشافعی و ابی ثور و ابن المنذر لعموم الآیة فی کل سارق ولانه متقوم تبلغ قیمته نصابا فوجب بسرقته ککتب الفقه و لاخلاف بین اصحابنا فی وجوب القطع بسرقة کتب الفقة والحدیث وسائر العلوم الشرعیة''

(ص 248 ج 8)

پس اگر قرآن مجید کا نسخہ چوری کرے تو ابوبکر اور قاضی نے کہا اس میں قطع ید نہیں اور یہی ابو حنیفہؒ کا قول ہے کیوں کہ اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جو اس میں ہے اور وہ ان چیزوں سے ہے جن پر بدلہ لینا جائز نہیں اور ابو الخطاب نے اس کا ہاتھ کاٹنے کو اختیار کیا ہے اور کہا ہے کہ امام احمدؒ کے کلام سے یہی بات ظاہر ہے کیوں کہ ان سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے کوئی کتاب جس میں علم ہو اس لیے چوری کی کہ مطالعہ کرے تو انھوں نے فرمایا ہر وہ چیز جس کی قیمت تین درہم کو پہنچ جائے' چوری کرنے پر ہاتھ کاٹنا لازم ہے۔ اور مالک' شافعی اور ابو ثور اور ابن المنذر کا یہی قول ہے۔ کیوں کہ آیت ہر چور کے متعلق عام ہے اور اس لیے کہ وہ قیمت والی چیز ہے جس کی قیمت نصاب کو پہنچتی ہے تو اس کی چوری پر قطع واجب ہو گا جیسا کہ فقہ کی کتابیں ہیں اور ہمارے

اصحاب میں اس بات پر کوئی اختلاف نہیں کہ فقہ' حدیث اور دوسرے علوم شرعیہ کی کتابیں چوری کرنے پر ہاتھ کاٹنا واجب ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ ائمہ ثلاثہ کتابوں کی چوری میں قطع ید کو واجب قرار دیتے ہیں۔ قرآن مجید کے نسخے کی چوری میں مالکؒ اور شافعیؒ قطع ید پر متفق ہیں۔ احمد بن حنبل کا ظاہر کلام بھی اسی کا متقاضی ہے۔ تمام کتابوں کی چوری پر حد باطل کرنے میں حنفی قانون تنہا بھی ہے اور کتاب و سنت کی کسی دلیل سے بھی یکسر محروم ہے۔

آزاد بچے کو زیور سمیت چوری کرنے پر حد ختم کرنا

"ولا قطع علی سارق الصبی الحرو ان کان علیه حلی لانه لیس بمال و ما علیه من الحلی تبع له" (هدایه ص 236 ج 2)

"آزاد بچے کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اگرچہ اس پر زیور ہو کیوں کہ وہ مال نہیں اور جو زیور اس پر ہے وہ اس کے تابع ہے۔"

غور کے قابل بات یہ ہے کہ چور بچے کو چرا کر بیچ دیتا ہے اور پیسے کھرے کر لیتا ہے۔ اگر وہ مال ہو ہی نہیں سکتا تھا تو بک کس طرح گیا؟ جو چیز مال ہی نہیں وہ فروخت کس طرح ہو سکتی ہے۔ اس شخص کو تو چوری کی سزا قطع ید اور آزاد کو غلام بنانے کی مزید سزا ملنی چاہیے۔

پھر مزید رعایت بچے چرانے والوں کو یہ دی ہے کہ نصاب سے زیادہ کا زیور بھی بچے کے ساتھ چرالیں تو بچے کے ساتھ زیور کی چوری پر بھی حد نہیں۔ گویا بچے چرانا ایسا کار خیر ہے کہ اس کی برکت سے ہزاروں روپے کے زیور کی چوری پر بھی قطع ید کی سزا ختم ہو گئی اور تابع و متبوع کا گر بھی خوب ہے کہ کتاب و سنت میں سرے سے مذکور نہ ہونے کے باوجود چوروں کے ہاتھ کٹنے سے بچانے کے لیے امرت دھارے کی طرح استعمال ہوتا ہے۔

کفن چوروں سے حد ختم کرنا

ولا قطع علی النباش (هدایه ص 237 ج 2)

"کفن چور پر قطع ید نہیں"

کفن چور کی سزا بھی قرآن مجید کی آیت ﴿ والسارق والسارقة فاقطعوا

ایدیھما ﴾ کی رو سے ہاتھ کاٹنا ہی ہے۔ اگر کفن کی قیمت نصاب کو پہنچ جائے اور قرآن مجید کی کسی آیت یا کسی حدیث میں اسے حد سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا گیا۔

ائمہ ثلاثہ کا فرمان

"واختلفوا فی النباش؟ فقال ابوحنیفة وحده لا قطع علیه و قال مالك والشافعی وا حمد علیه القطع" (الافصاح ص 254 ج 2)

"کفن چور کے متعلق اختلاف ہے۔ چنانچہ اکیلے ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور مالک و شافعی اور احمد کہتے ہیں کہ اس کا ہاتھ کاٹنا واجب ہے۔"

حد سے بچانے کے لیے ایک اور ضابطہ: حقیقی اور خودساختہ شراکت

ومن له علی آخر دراهم فسرق منه مثلها لم یقطع (هدایه ص 237 ج 2)

جس شخص کے کچھ درہم دوسرے کے ذمے ہوں پس وہ اس سے اتنے درہم چرالے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔"

آگے فرماتے ہیں:

"و کذا اذا سرق زیادة علی حقه لانه بمقدار حقه یصیر شریکا فیه "(هدایه ص 238 ج 2)

"اس طرح جب وہ اپنے حق سے زیادہ چرالے (تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا) کیوں کہ وہ اپنے حق کی مقدار کے ساتھ اس میں شریک بن جائے گا۔"

کسی سے چند روپے لینے ہوں خواہ وہ اس پر قرض ہوں یا اپنے کام کی اجرت ہی وصول کرنی ہو اس کا سارا اثاثہ چوری کر لو' ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ کیسا عمدہ نسخہ ہے؟ چند روپے کسی کو قرض دے دو پھر اس کا سارا اثاثہ چوری کر لو۔ اگر ہضم ہو گیا فھو المقصود' پکڑے گئے تو قانون حنفی کی رو سے اس کے مال میں اپنا شراکت نامہ پیش کر دو۔ آپ کا ہاتھ کوئی حنفی قاضی نہیں کاٹے گا۔

اول تو اگر کسی شخص کے ساتھ واقعی شراکت بھی ہو تو اپنے شریک کا مال چوری

کرنے پر حد ختم کرنا قرآن و سنت سے ثابت نہیں۔ کیوں کہ جب وہ دوسرے کا مال نصاب سے زیادہ چوری کر رہا ہے جو اس کا حق نہ تھا تو قرآن مجید کے حکم ﴿ والسارق والسارقة فاقطعوا ايديهما ﴾ کے مطابق اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ تو خواہ مخواہ بنائی شراکت کو اللہ کی حد باطل کرنے کا بہانہ بنانا کس طرح درست ہو سکتا ہے؟

اسی شراکت کے حیلے سے بیت المال کی چوری پر حد ساقط کی گئی ہے۔ دیکھیے ہدایہ ص 237 ج 2۔

حرز: جائے حفاظت سے چوری کرنے کی شرط

یہ بات ظاہر ہے کہ چوری کسی فرد یا قوم کی ملکیت سے خفیہ طور پر کوئی چیز لینے کو کہتے ہیں جو ایسی جگہ سے لی جائے کہ اسے لقطہ یعنی گری ہوئی چیز اٹھانا نہ کہا جا سکے۔

ایسی جگہ کئی طرح کی ہو سکتی ہے۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھل کے متعلق فرمایا: "فاذا آواہ الجرین .. الخ" یعنی پھلوں کے ڈھیر میں آنے کے بعد کوئی شخص اس سے چوری کرے جو ڈھال کی قیمت کو پہنچ جائے تو ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔" اب سب لوگ جانتے ہیں کہ کھیتوں میں غلے اور پھلوں کے ڈھیر کرنے اور سکھانے کے لیے کھلی زمین ہی استعمال کی جاتی ہے جس پر نہ دیوار ہوتی ہے' نہ دروازہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں سے چوری کرنے پر بھی قطع ید کا حکم دیا ہے۔

اسی طرح بکریوں کے متعلق آپ نے فرمایا کہ باڑے میں آنے کے بعد انھیں چرانے پر ہاتھ کاٹا جائے گا اور بکریوں کے باڑے دیواروں والے بھی ہوتے ہیں' باڑ والے بھی اور دیوار اور باڑ کے بغیر کھلی جگہیں بھی جہاں رسیوں سے بکریاں باندھ دی جاتی ہیں ضروری نہیں قفل دار عمارت ہی ہو۔

قانون حنفی میں بہت سے مقامات کو حرز (جائے حفاظت) سے خارج قرار دے کر وہاں سے چوری کرنے پر حد ختم کر دی گئی ہے۔

مسجد سے چوری پر حد باطل کرنا

"ولا یحرز بباب المسجد ما فیه حتی لا یجب القطع بسرقة متاعه "(هدایه ص 236 ج 2)

"مسجد کے دروازے سے وہ چیزیں محفوظ نہیں ہوتی جو اس میں ہیں۔ اس لیے اس کے سامان کی چوری سے ہاتھ کاٹنا واجب نہیں۔"

واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہو سلم نے مسجد سے چیز چرانے والے کو حد سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا۔

مسجد سے چوری پر حد باطل کرنا

و من سرق من المسجد متاعا و صاحبه عنده قطع (هدايه ص 241 ج 2)

"جو شخص مسجد سے کوئی سامان چرائے جس کا مالک اس کے پاس موجود ہو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔"

اس شرط کا واضح مطلب یہ ہے کہ اگر مسجد میں کسی شخص کا سامان چرا لے جب وہ پاس نہ ہو تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

مالک پاس موجود ہونے کی شرط اس لیے ہے کہ مسجد راستے اور صحراء کی طرح غیر محفوظ جگہ ہے جس طرح راستے اور صحرا میں ہر شخص آ جا سکتا ہے مسجد میں داخلہ کی اجازت عام ہے س لیے مالک پاس نہ ہو تو جس طرح صحرا یا راستے سے کوئی چیز اٹھا لینے پر حد نہیں اس طرح مسجد میں سے اٹھانے پر بھی کوئی حد نہیں۔

یہ عذر بے کار ہے۔ داخلے کی اجازت عام ہونے سے کسی جگہ کو صحرا یا شارع عام قرار دینا نہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ہے، نہ عقل و عرف کا۔ کیوں کہ راستے یا صحرا سے چیز اٹھانے والے کو چور نہیں کہا جاتا جب کہ داخلہ عام والی جگہوں سے چوری کرنے والے کو چور کہا جاتا ہے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں سے سامان کے مالک کی موجودگی میں چوری کرنے والے کا ہاتھ بھی کاٹ دیتے تھے جیسا کہ صفوانؓ بن امیہ کی چادر کے چور کا ہاتھ آپ نے کاٹ دیا تھا۔ دونوں حدیثوں کی تفصیل و تخریج پیچھے احادیث کے ضمن میں گزر چکی ہے۔ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ:

1. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سے چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹ دیتے تھے۔
2. مسجد لوگوں کے لیے داخلے کی عام اجازت کے باوجود سڑک یا صحرا نہیں کہ وہاں سے چیز لے جانے والا حد سے مستثنیٰ ہو۔

❸ لوگوں کے لیے کسی جگہ پر داخلے کی اجازت انھیں چوری کی صورت میں حد سے نہیں بچا سکتی۔

اب آپ مزید مقامات سنیے جہاں داخلے کی اجازت کو بہانہ بنا کر قانون حنفی میں چور کی حد باطل کی گئی ہے۔

عام داخلے والی جگہوں مثلاً دکانوں، ہوٹلوں وغیرہ سے چوری پر حد باطل کرنا

"ولا قطع علی من سرق مالا من حمام او من بیت اذن للناس فی دخولهم فیه---و یدخل فی ذلك حوانیت التجارة والخانات الا اذا سرق منها لیلا" (هدایه ص 241 ج 2)

"جو شخص حمام سے یا ایسے مکان سے چوری کرے جہاں لوگوں کو داخل ہونے کی اجازت دی گئی ہو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا---اور اس میں تجارت کی دکانیں اور ہوٹل بھی داخل ہیں۔ مگر جب ان میں سے رات کو چوری کرے۔"

وزر

چوں کہ ان مقامات میں لوگوں کو داخل ہونے کی اجازت ہے، اس لیے یہ مقامات پوری طرح حرز (جائے حفاظت) نہ رہے۔ اس لیے ان سے چوری پر حد نہ ہوگی۔

قطع وزر

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ نے ان میں سے کسی جگہ سے چوری کو حد سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو عورتوں کے صفہ سے ڈھال چرانے پر ہاتھ کاٹ دیتے تھے جہاں داخلہ کی عام اجازت سب کو معلوم ہے وہ لوگوں کی دکانوں اور ہوٹلوں سے چوری کرنے والوں کی حد کس طرح ختم کر سکتے ہیں؟

محافظ کی موجودگی میں دکان سے چوری پر بھی حد نہیں

یہاں ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر حنفی قانون نے دکانوں میں داخلہ کی عام اجازت کی وجہ سے ان کی چوری پر حد ختم کی ہے تو جس طرح مسجد سے مالک کی موجودگی

میں چوری پر حد رکھی ہے' دکانوں میں محافظ کی موجودگی میں چوری پر بھی ضرور حد رکھی ہوگی مگر اس سوال کا جواب دکانداروں کے لیے خوش کن نہیں۔ مایوس کن ہے اگرچہ چوروں کے لیے نہایت حوصلہ افزا ہے کیوں کہ مسجد سے محافظ کی موجودگی میں چوری پر ہاتھ کاٹا جائے گا مگر دکانوں میں محافظ کی موجودگی میں بھی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ محافظ کی عدم موجودگی میں تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اس لیے باقاعدہ ایک ضابطہ وضع کیا گیا ہے چنانچہ ہدایہ میں ہے:

"والحرز علی نوعین حرزلمعنی فیه کالبیوت والدور و حرز بالحافظ- - و فی المحرز بالمکان لا یعتبر الاحراز بالحافظ"

(ھدایه ص 240 ج 2)

"حرز کی دو قسمیں ہیں ایک وہ حرز کہ خود اس میں حفاظت کا مفہوم موجود ہے جیسا کہ مکان اور گھر اور ایک وہ حرز جو حفاظت کرنے والے کی وجہ سے محفوظ ہے"۔۔۔"اور جس کی حفاظت جگہ کی وجہ سے ہو رہی ہے۔ (مثلاً مکانات اور گھر وغیرہ) اس کی حفاظت محافظ کے ساتھ معتبر نہیں ہے۔"

پھر دکانوں' ہوٹلوں' اور اس قسم کے مقامات پر اس ضابطہ کو منطبق کیا ہے۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے:

"بخلاف الحمام والبیت الذی اذن للناس فی دخوله حیث لا یقطع لانه بنی للاحراز بالحافظ" (ھدایه ص 241 ج 2)

یعنی حمام سے اور ان تمام مکانوں سے جہاں لوگوں کو داخلے کی اجازت دی گئی ہے (یعنی دکانیں' اور میزبان کا گھر وغیرہ) چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیوں کہ یہ عمارتیں بنائی ہی حفاظت کے لیے گئی ہیں اس لیے یہ جگہ خود حفاظت والی ہے۔ چنانچہ یہاں حفاظت کرنے والے شخص کی حفاظت کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔" (یعنی دکانوں پر مالک اور پہرے دار بھی کھڑے ہوں چور غیر محفوظ جگہ سے ہی چوری کر رہا ہے)

یہ سارا ضابطہ ہی ایجاد بندہ ہے اور قرآن و سنت کی تائید سے یکسر محروم۔ مقصد

دکانوں اور اس قسم کی جگہوں سے چوری کی حد کو سرے سے باطل کرنا ہے۔

مہمان بن کر چوری کرنے والے کی حد ختم کرنا

و لا قطع علی الضیف اذا سرق ممن اضافه (هدایه ص 241 ج 2)

"مہمان جب اس شخص کی چوری کرے جس کا وہ مہمان ہے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔"

چور کو اس کے محسن میزبان کی نمک حرامی کا صلہ سزا ختم کرنے کی صورت میں دینا عجیب فقاہت ہے۔

عذر

صاحب ہدایہ نے اس کے لیے دو عذر پیش کیے ہیں:

1. چوں کہ مہمان کو گھر میں داخل ہونے کی اجازت ہے اس لیے وہ گھر اس کے حق میں حرز نہیں۔
2. وہ بمنزلہ گھر والوں کے ہے' اس لیے اس کا فعل خیانت ہے' چوری نہیں اور خیانت پر ہاتھ نہیں کاٹا جاتا۔

قطع عذر

1. چور کو اگر کسی گھر میں داخلے کی اجازت ہو تو اسے چوری کی اجازت کیسے ہو گئی؟ اور صرف داخلے کی اجازت سے اس کی حد ختم کرنا قرآن و سنت کی کون سی نص سے نکلتا ہے؟ حدیث سے تو عام داخلے والی جگہ سے چوری پر بھی ہاتھ کاٹنے کا ثبوت ملتا ہے دیکھیے صفة النساء سے چوری کرنے والے کا واقعہ جو شروع میں گزر چکا ہے۔
2. گھر والے گھر کی چیزوں کے مالک ہوتے ہیں' کیا مہمان بھی مالک ہوتا ہے؟ اسے بمنزلہ گھر والوں کے قرار دینا کس طرح درست ہو سکتا ہے؟ اور خیانت اس چیز میں ہوتی ہے جو کسی نے دوسرے شخص کے پاس امانت رکھی ہو' فرمائیے! کیا یہاں صاحب خانہ نے سارا گھر مہمان کے پاس امانت رکھ دیا ہے؟ اس نے تو اسے صرف

چند چیزیں استعمال کرنے کی اجازت دی ہے اور اگر ضرور ہی امانت قرار دینا ہے تو زیادہ سے زیادہ وہ چیزیں اس کے پاس امانت قرار دی جاسکتی ہیں جنھیں وہ استعمال کرتا ہے' مثلاً بستر' برتن وغیرہ میزبان کی ہر چیز خواہ وہ تالوں کے اندر الماریوں میں رکھی ہو مہمان کے پاس امانت کس طرح بن گئی؟ یہ نری سینہ زوری ہے اور مہمان نوازی کرنے والے پر دہرا ظلم اور چوروں کے لیے حد سے بچنے کا استادی طریقہ۔

کھلے دروازے والے گھر سے چوری پر حد ختم کرنا

"ولو کان باب الدار مفتوحا فدخل نهاراسرا و سرق لا يقطع ---و لو دخل اللص ما بين العشاء والعتمة والناس يذهبون و يجيؤن فهو بمنزلة النهار " (عالمگیری ص 64 ج 2)

"اگر گھر کا دروازہ کھلا ہو پس دن کے وقت داخل ہو کر چوری کر لے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا--اور اگر چور عشاء کے اور عتمہ (زیادہ اندھیرے) کے درمیان داخل ہوا اس حال میں کہ لوگ آجا رہے ہوں تو وہ بمنزلہ دن کے ہے"

یہاں داخلے کی اجازت بھی نہیں مگر صبح سے رات دس گیارہ بجے تک (کہ لوگ اس وقت تک عموماً آتے جاتے رہتے ہیں) چوری پر حد ختم کر دی گئی ہے۔ بہانہ یہ کہ دروازہ کھلا تھا۔

گھر والے بے چارے کیا کریں؟ اگر دروازہ بند کریں اور کوئی شخص دروازہ ہی نکال کر لے جائے اس کی حد بھی ختم اور دروازہ کھلا رہ جائے یا چور کسی ساتھی سے پہلے دروازہ کھلوا کر کھلے دروازے سے داخل ہو کر چوری کر لے پھر بھی حد باطل۔! فرمایئے' یہ قانون اہل خانہ کا محافظ ہے یا چوروں کا پاسبان؟

ان قانون سازوں سے کوئی پوچھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صفہ سے ڈھال چوری کرنے والے کا ہاتھ جو کاٹا تھا کیا اس نے بند دروازہ کھول کر چوری کی تھی؟

☆☆☆☆☆

چوری کے کچھ اور طریقے جن پر حد ختم کی گئی ہے

* نقب میں سے اندر والے چور کا باہر والے کو مال پکڑانا

"واذ انقب اللص البیت فدخل و اخذ المال و ناوله آخر خارج البیت فلا قطع علیهما" (هدایه ص 241ج 2)

"جب چور مکان کو نقب لگا کر اندر داخل ہو اور مال پکڑ کر دوسرے شخص کو پکڑائے جو گھر سے باہر ہے تو دونوں کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا"

واقعی نیکی اور تقویٰ کے کام میں تعاون کرنے کی یہی جزا ہونی چاہیے۔

* مکان میں نقب لگا کر ہاتھ سے کوئی چیز پکڑ لینا

ومن نقب البیت و ادخل یده فیه و اخذ شیئا لم یقطع"

(هدایه ص 242 ج 2)

"جو شخص مکان میں نقب لگائے اور اپنا ہاتھ اس میں داخل کر کے کوئی چیز پکڑ لے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔"

اوپر والی بات کی طرح یہ بات بھی صرف چوروں کو حد سے بچانے کے لیے بنائی گئی ہے۔ کتاب و سنت میں دونوں کی کوئی دلیل موجود نہیں۔

* قطار میں سے اونٹ یا اس کا بوجھ چوری کر لینا

"وان سرق من القطار بعیرا او حملا لم یقطع "(هدایه ص 243ج 2)

"اگر اونٹوں کی قطار میں سے اونٹ چرا لے یا بوجھ (گانٹھ) چرا لے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔"

وجہ اس کی صاحب ہدایہ نے یہ بیان کی ہے کہ اونٹ اور بوروں کی حفاظت مقصود نہیں ہوا کرتی کیوں کہ اونٹوں کے آگے چلنے والوں' پیچھے سے ہانکنے والوں اور سواروں کا اصل مقصد سامان ڈھونا اور مسافت طے کرنا ہوتا ہے' نہ کہ حفاظت کرنا تو اس سے شبہ پختہ ہوتا

ہے کہ اونٹ اور بورے محرز (محفوظ) نہیں ہیں۔

اونٹوں کی حفاظت مقصود نہ ہونا بھی ایک لطیفہ ہے۔ اونٹوں والوں کو اپنے اونٹ زیادہ عزیز ہیں یا سامان ڈھونا اور مسافت طے کرنا؟ معلوم نہیں حفاظت کا معیار کیا ہے؟ اور سفر میں حفاظت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ آگے چلنے والا بھی ہے، پیچھے والا بھی ہے۔ بعض اونٹوں پر سوار بھی ہیں اور اونٹ قطار میں ایک دوسرے کے ساتھ بندھے ہوئے بھی ہیں۔ اونٹوں اور ان پر لدے ہوئے بوروں کی چوری کی یہ سکیم واقعی چوروں کے لیے ایک نادر تحفہ ہے۔ اس پر اگر مزید قیاس کی عمارت استوار کی جائے تو ٹرکوں، جیپوں کے پیچھے لگی ہوئی ٹرالیاں اور ریل کی بوگیاں بھی اسی ضمن میں آتی ہیں۔

* چور کا سونا وغیرہ نگل کر مکان سے باہر نکل جانا

”و لا بد ان یُخرجه ظاهرا حتی لو ابتلع دینارا فی الحرز و خرج لا یقطع و لا ینتظر ان تیغوطه بل یضمن مثله کذا فی البحر الرائق“

(عالمگیری ص 61 ج 2)

”یہ بھی ضروری ہے کہ اسے ظاہر طور پر باہر لائے یہاں تک کہ اگر حرز (جائے حفاظت) میں ایک دینار نگل لے اور باہر آئے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور اس بات کا انتظار نہیں کیا جائے گا کہ وہ اس کے پاخانہ میں نکلے بلکہ وہ اس کے مثل کا ضامن ہو گا“

یہاں چوری کا مال ظاہر طور پر نہ نکالنے کی مثال کے لیے نگلنے کا ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ چھپا کر نکالنے کی تمام صورتیں بھی اس میں شامل ہیں۔ مثلاً چور عورتوں کا ہیرے جواہرات کو جسم کے مخفی حصوں میں چھپا کر حرز سے باہر آنا اور اگر اس سلسلے کو وسیع کیا جائے تو جس طرح بعض چور اپریشن کر کے جانوروں کے جسم میں زیر جلد چیزیں چھپا کر جانور کو باہر روانہ کر دیتے ہیں سب کی حد ختم ہو جائے گی۔ بہر حال نگلنے کو تو حد کی معافی کے لیے صریح سند حاصل ہے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ چور نہیں تو مثل کا ضامن کیوں ؟ اور اگر چور ہے تو نگل لینے سے اسے بندوں کا حق تو معاف نہ کرنا مگر اللہ کا حق ختم کر دینا حدود اللہ کو باطل کرنے کا حیلہ نہیں تو اور کیا ہے ؟

اگر یہ عذر ہو کہ یہاں کسی قسم کا شبہ موجود ہے تو جب چوری کی شہادت مل گئی نگلنا بھی ثابت ہو گیا اب کیا شبہ رہ گیا ؟ چلیے! اگر پھر بھی شبہ ہے تو وہ چیز باہر نکلنے کا انتظار ہو سکتا ہے تاکہ شبہ بالکل ختم ہو جائے۔ مگر ہمارے قانون ساز اس چور کے تحفظ پر اتنے کمر بستہ ہیں کہ وہ اس چیز کے باہر نکلنے کا انتظار کی اجازت دینے پر بھی تیار نہیں مبادا ان کا خیالی شبہات سے بنایا ہوا محل مسمار نہ ہو جائے اور وہ حد ماننے پر مجبور ہو جائیں۔

٭ بکری ذبح کر کے چوری کرنے کا حیلہ

"وان سرق شاة فذبحها ثم اخرجها يقطع لان السرقه تممت على اللحم و لا قطع فيه" (هدايه ص 250 ج 2)

اور اگر وہ کوئی بکری چوری کرے پس اسے ذبح کرے پھر باہر نکالے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا' کیوں کہ چوری گوشت پر پوری ہوئی ہے اور اس میں ہاتھ کاٹنا نہیں ہے۔"

بے چارے مالک کی تو بکری چوری ہوئی' نہ کہ گوشت۔ اب چور پکڑا بھی جائے تو اس کی بکری اس کو کبھی واپس نہیں مل سکتی۔ الٹا چور کو انعام کے طور پر حد کی معافی دے دی گئی۔ اس ضابطے کی بنیاد جس قاعدے پر ہے کہ گوشت کی چوری پر حد نہیں' وہ بجائے خود باطل ہے جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔

بچے دیوانے' معتوہ (کم عقل مدہوش) یا صاحب مال کے قرابت دار کو ساتھ لے جانے پر چوری کی حد باطل کرنا

و لو كان فيهم صغير او مجنون او معتوه او ذورحم محرم منه لم يقطع احدا --- كذا فى النهر الفائق" (عالمگیری ص 61 ج 2)

"اگر چوروں میں کوئی چھوٹا یا دیوانہ' یا معتوہ (ناقص العقل) یا کوئی ایسا شخص ہو

جو اس شخص کا محرم رشتہ دار ہے جس کی چوری کی گئی ہے تو کسی کا ہاتھ بھی نہیں کاٹا جائے گا۔"

یہ درست ہے کہ نابالغ اور دیوانے پر حد نہیں مگر یہ بات کہ ان کو ساتھ لے جانے والے عاقل و بالغ چوروں کی حد بھی ختم ہے۔ ہرگز اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم نہیں۔
اس ضابطے میں چوروں کو دو فائدے حاصل ہوئے:

1. اپنے بچوں کو بچپن میں ہی چوری کی تربیت دینا اور چوری میں طاق بنانا۔
2. اس فعل خیر کی جزا کے طور پر خود بھی حد سے محفوظ رہنا۔

بچوں اور دیوانوں کو ساتھ لے جانے کی صورت میں عاقل و بالغ چوروں کی حد معاف کرنے کی بجائے انھیں قطع ید کے علاوہ کوئی اور تعزیر بھی ہونی چاہیے کہ وہ بچوں اور دیوانوں کو اپنے ساتھ کیوں لے گئے۔ اگر صاحب خانہ اپنے مال کی حفاظت میں ان کا کوئی نقصان پہنچانے میں کامیاب ہو جاتا تو اس کے ذمہ دار تو یہی عاقل و بالغ تھے۔

رہا مال والے کے محرم رشتہ دار ساتھ ہونے کی وجہ سے چوروں کی حد ختم کرنا تو اس کی بنیاد اس پر ہے کہ قانون حنفی میں کوئی شخص اپنے محرم رشتہ دار کی چوری کرے تو اس پر حد نہیں۔ یہ قانون بجائے خود نادرست ہے۔ ایسے ظالم کو تو قطع ید کے علاوہ قطع رحمی کی الگ سزا بھی ملنی چاہیے۔ ائمہ ثلاثہ بالاتفاق اس ضابطے کے خلاف ہیں۔ چنانچہ الافصاح ص 256 ج 2 میں ہے:

"واختلفوا هل يقطع الاقارب سوى الآباء كالاخوة و العمومة الخؤولة اذا سرق بعضهم مال بعض؟ فقال ابوحنيفة لا يقطع اذا سرق من ذى رحم محرم كالاخ والعم و قال مالك والشافعى واحمد :يقطع"

"اور اختلاف ہے کہ آباء کے علاوہ دوسرے رشتہ دار مثلاً بھائی' چچے' ماموں' جب ان میں سے کوئی کسی دوسرے کے مال کی چوری کر لے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا یا نہیں؟ تو ابو حنیفہؒ نے کہا: جب اپنے محرم رشتہ دار مثلاً بھائی یا چچے کی

چوری کرلے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور مالکؒ' شافعیؒ اور احمدؒ نے فرمایا: کاٹا جائے گا۔"

اگر ایک منٹ کے لیے اس ضابطے کو درست بھی مان لیا جائے کہ محرم رشتہ دار پر قطع ید نہیں تو اجنبی چوروں کو کون سی آیت یا حدیث کی رو سے حد سے بچایا جا رہا ہے: او لم ینبأ بما فی صحف موسیٰ O و ابراھیم الذی وفیO الاّ تزر وازرة وزرا اخری و ان لیس للانسان الا ما سعی -و ان سعیه سوف یری ' ثم یجزاه الجزاء الاوفیٰ
یہ تو ایک بالکل ہی نئی شریعت ہے جس کے ذریعے پہلی تمام شریعتوں کو منسوخ کر دیا گیا ہے۔

حاکم کے پاس پہنچنے سے پہلے پہلے چور کا مالک یا اس کے رشتہ دار کو مال واپس کر دینا

"و من سرق سرقة وردھا علی المالك قبل الارتفاع الی الحاکم لم یقطع--- و لوردہ علی ولدہ او ذی رحمه ان لم یکن فی عیال المسروق منه یقطع و ان کان فی عیاله لا یقطع و کذالورد علی امرء ته او عبدہ او اجیرہ مشاھرة او مسافھة و لو دفع الی والدہ او جدہ او والدة او جدته و لیسوا فی عیاله لا یقطع --- و لو سرق من العیال ورد الی من یعولھم لا یقطع -کذا فی الکافی"

(عالمگیری ص 65ج 2)

"اور جو شخص کوئی چیز چوری کرے اور حاکم کے پاس پیش ہونے سے پہلے مالک کو واپس کر دے 'اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا"--- "اور اگر وہ اس کی اولاد یا رشتہ داروں کو واپس کرے تو اگر وہ اس شخص کے عیال میں نہ ہوں جس کی چوری کی گئی ہے تو ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اور اگر اس کے عیال میں ہوں تو نہیں کاٹا جائے گا۔ اسی طرح اگر اس کی بیوی یا اس کے غلام یا اس کے مزدور کو ماہانہ سالانہ کی صورت میں دے دے اور اگر اس کے والد یا جد (دادا' نانا) یا والدہ یا

جدہ (دادی' نانی) کو دے دے اور وہ اس کے عیال میں نہ ہوں تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا"۔۔۔ "اور اگر عیال سے چوری کرے اور ان کو واپس کر دے جن کے وہ عیال ہیں تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔"

یہ تمام صورتیں بھی چور کی حد کو باطل کرنے کے لیے بنائی گئی ہیں۔ چور کو جب معلوم ہو کہ مال کا مالک عدالت میں مقدمہ پیش کرنے سے باز نہیں آتا' وہ اس کے وہاں پہنچنے سے پہلے پہلے اس کو' یا اس کے مندرجہ بالا تعلق داروں میں سے کسی کو وہ مال پہنچا دے۔ اب مالک اسے عدالت میں پیش بھی کر دے۔ قاضی قانون حنفی کے سامنے حد نافذ کرنے سے بے بس ہے۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ معاملہ صرف مال کے لین دین کا تھا۔ چور نے کوئی جرم نہیں کیا تھا۔ اس کا جرم یہ تھا کہ عدالت میں پہنچنے سے پہلے پہلے مال واپس کیوں نہیں کر سکا۔

اگر چور خود وہ مال نہ پہنچا سکے تو اس کا کوئی ہمدرد اس سے مندرجہ ذیل تعاون کر سکتا ہے۔

چور سے چوری کا مال چھین کر ضامن بن جانا

"و لو غصبه منه رجل و ضمن الغاصب سقط القطع كذا في العتابيه" (عالمگیری ص 65 ج 2)

"اور اگر چوری کی چیز اس سے کوئی شخص چھین لے اور چھیننے والا ضامن بن جائے تو ہاتھ کاٹنا ساقط ہو جائے گا۔"

حد باطل کرنے کے ان ضابطوں کے علاوہ بہت سے ضابطے عالمگیری اور ہدایہ میں موجود ہیں۔ اختصار کے پیش نظر انھیں فی الحال ترک کیا جاتا ہے۔ اب وہ ضابطے درج کیے جاتے ہیں جن کے ذریعے قانون حنفی نے عدالت میں مقدمہ پیش ہونے یا گواہوں کی شہادت دیے جانے یا قاضی کی طرف سے چور کا ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ کر دیے جانے کے بعد چوری کی حد معطل کی ہے۔

قاضی کے پاس مقدمہ چلے جانے کے بعد حد معطل کرنے کے طریقے

اب جو ضابطے بیان کیے جائیں گے ان سے پہلے ایک دفعہ یہ بات ذہن میں تازہ کر لینی چاہیے کہ شریعت اسلامیہ میں چوری کا مقدمہ حاکم کے پاس پیش ہو جانے کے بعد نہ حاکم خود معاف کر سکتا ہے نہ کسی کی سفارش پر حد ختم کر سکتا ہے۔ نہ اس شخص کے معاف کرنے پر حد ختم ہو سکتی ہے جس کی چوری ہوئی ہو۔ نہ ہی مالک کی طرف سے چور کو وہ چیز ہبہ کیے جانے یا بیچ جانے سے حد ختم ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چوری کرنے والی عورت فاطمہ مخزومیہ کا ہاتھ اسامہ بن زید (جن کا لقب رسول اللہ ﷺ کا محبوب تھا) کی سفارش کے باوجود کاٹ دیا تھا اور فرمایا تھا:

"انما اهلك الذين قبلكم انما كانوا اذا سرق فيهم الشريف تركوه و اذا سرق فيهم الضعيف اقاموا عليه الحد و ايم الله لو ان فاطمة بنت محمد صلى الله عليه وسلم سرقت لقطعت يدها" (متفق عليه .. مشكوة ص 314)

"تم سے پہلے لوگوں کو صرف اسی چیز نے ہلاک کیا کہ جب ان میں کوئی بڑا آدمی چوری کرتا اسے چھوڑ دیتے اور جب ان میں کوئی کمزور آدمی چوری کرتا اس پر حد قائم کر دیتے تھے اور اللہ کی قسم! اگر محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا"

اور جیسا کہ صفوانؓ بن امیہ نے ایک چور کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا اور اس کا ہاتھ کاٹ دیے جانے کا فیصلہ سن کر کہا کہ یا رسول اللہ! میں یہ چادر اسے ہبہ کرتا ہوں' بیچتا ہوں قیمت بھی اس پر ادھار رہے گی' بعد میں دے دے' آپ اس کا ہاتھ نہ کاٹیں۔ انھوں نے چادر اسے بیچنے' ہبہ کرنے' غرض اس کی حد ختم کروانے کا ہر طریقہ پیش کیا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے اسے میرے پاس پیش کرنے سے پہلے ایسا کیوں نہیں کیا؟ چنانچہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ تفصیل شروع میں گزر چکی ہے۔

مگر قانون حنفی میں مقدمہ پیش ہونے کے بعد بھی حد ختم ہونے کی کئی سکہ بند صورتیں موجود ہیں۔

ہاتھ کاٹنے کے وقت مال کے مالک کا غائب ہونا

"و لا یقطع السارق الا ان یحضر المسروق منه فیطالب بالسرقة ..

و لا فرق بین الشهادة والاقرار عندنا" ---" وکذا اذا غاب عند القطع عندنا" (هدایه 245 ج 2)

"اور چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے مگر اس صورت میں کہ وہ شخص حاضر ہو جس کی چوری کی گئی ہے اور چوری کی ہوئی چیز کا مطالبہ کرے۔"

"اور ہمارے پاس شہادۃ اور اقرار میں کوئی فرق نہیں۔"

"اور اسی طرح جب وہ شخص جس کی چوری کی گئی ہے ہاتھ کاٹنے کے وقت غائب ہو، ہمارے نزدیک"

مطلب یہ ہے کہ اگر مال کا مالک مقدمہ پیش کرنے اور حد کا مطالبہ کرنے سے باز نہیں آتا تو کسی طرح اسے غائب کرنے کی فکر کیجیے، ہاتھ کٹنے کا فیصلہ ہو چکنے کے بعد عین کاٹنے کے وقت اگر وہ حاضر نہ ہو سکا تو چور کا ہاتھ سلامت رہے گا۔ اور اگر مسروق منہ اپنی موت مر گیا یا قتل ہو گیا یا اغوا ہو گیا تو اللہ کی حد جو شہادتوں سے ثابت ہو چکی ہے اور قاضی بھی جس کا فیصلہ کر چکا ہے قانون حنفی کی رُو سے ختم ہو جائے گی۔

یاد رہے کہ ہاتھ کاٹنے کے وقت مسروق منہ کی موجودگی کتاب و سنت کی کسی دلیل سے بھی ثابت نہیں کی جا سکتی۔

دو مالکوں میں سے ایک بھی غائب ہو تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا

"ولو سرق من رجلین لم یقطع بغیبة احدهما"

(عالمگیری ص 65 ج 2)

"اگر اس نے دو آدمیوں کی چوری کی ہو تو ان میں سے ایک کے غائب ہونے کی صورت میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔"

قطع ید کا فیصلہ ہونے کے بعد چوری کی چوری کا مال بیع یا ہبہ کر دیے جانے کی صورت میں حد معطل کرنا

"و اذا قضی علی رجل بالقطع فی سرقة فوهبت له لم يقطع معناه اذا سلمت اليه و كذا اذا باعها المالك اياه" (هدایه ص 246 ج 2)

"اور جب کسی آدمی کا ہاتھ چوری میں کاٹ دیے جانے کا فیصلہ کر دیا جائے پس وہ چیز اس کو ہبہ کر دی جائے۔ مطلب یہ کہ اس کے سپرد کر دی جائے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور اس طرح اگر مالک اس کو وہ چیز فروخت کر دے"

جب ہاتھ کاٹنے کا مرحلہ درپیش ہو تو چور اپنا ہاتھ بچانے کے لیے کون سی قیمت ہے جو ادا نہیں کرے گا۔ مگر اب یہ بندوں کا حق ہے ہی نہیں۔ اب تو ﴿جزاء بما کسبا نکالا من الله﴾ کی منزل ہے۔ اسی لیے بالکل ایسی ہی صورت میں رسول اللہ ﷺ نے صفوان بن امیہ کے چور کا ہاتھ کاٹ دیا تھا۔ صریح صحیح حدیث کو رد کر کے اللہ کی حد کو باطل کرنے کی جرأت صرف اسی قانون نے کی ہے اور اس حدیث کو صحیح مان کر کی ہے کیوں کہ اس قانون میں "حرز بالحافظ" کی بنیاد اسی حدیث پر رکھی گئی ہے۔ باقی ائمہ یہ جرأت نہ کر سکے۔

ائمہ ثلاثہ کا موقف

"واختلفوا فيما اذا سرق نصابا ثم ملكه بشراء او هبة او ارث او غيره هل يسقط القطع؟ فقال مالك والشافعي و احمد ' لا يسقط القطع عنه سواء ملكه بذلك قبل الترافع و بعده و قال ابو حنيفة متى وهبت له او بيعت منه سقط القطع عنه" (الافصاح ص 261 ج 2)

"جب نصاب (کے برابر چیز) چوری کرے پھر خرید کر یا ہبہ سے یا ورثے سے یا کسی اور طریقہ سے اس کا مالک بن جائے تو کیا قطع ید ساقط ہو جائے گا؟ اس میں اختلاف ہے۔ چنانچہ مالک' شافعی' اور احمد نے کہا: اس سے ہاتھ کاٹنا ختم نہیں ہو گا' خواہ وہ ان صورتوں کے ساتھ اس کا مالک مقدمہ پیش ہونے سے پہلے بنا ہو یا بعد میں اور ابو حنیفہ نے کہا: جب اسے وہ چیز ہبہ کر دی جائے یا اس کے پاس

بیچ دی جائے اس سے قطع ساقط ہو جائے گا۔"

اگر کوئی مالک ایسا زبردست ہے کہ نہ چور کو چوری کا مال ہبہ کرتا ہے نہ بیچتا ہے تو فکر کی کوئی بات نہیں اس چور کے درد کا درماں بھی موجود ہے۔

چور کے بھاگ جانے سے حد ساقط ہونا

"و اذا حکم علیه بالقطع بشهود فی السرقة ثم انفلت او لم یکن حکم علیه حتی انفلت فاخذ بعد زمان لم یقطع و ان اتبعه الشرط فاخذوه من ساعته قطعت یده کذا فی المبسوط"

(عالمگیری ص 65 ج 2)

"اور جب گواہوں (کی گواہی) کے ساتھ چوری میں چور کا ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ کر دیا جائے پھر وہ چھوٹ کر بھاگ جائے یا ابھی اس پر فیصلہ نہیں ہوا تھا کہ وہ چھوٹ کر بھاگ گیا پھر کچھ وقت کے بعد پکڑا گیا تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور اگر پولیس نے اس کا پیچھا کیا اور اس کو اسی وقت پکڑ لیا تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔"

گویا تھوڑی سی جرأت رندانہ کی ضرورت ہے 'اور وہ بھی صرف ایک دفعہ یا پولیس والوں کو اپنا بنانے کی ضرورت ہے۔ پھر خواہ حوالات سے بھاگ جائے یا ہاتھ کاٹنے کے وقت۔ بس ایک مرتبہ پولیس والے اسے نہ پکڑیں یا نہ پکڑ سکیں پھر کچھ مدت کے بعد پکڑا جائے تو اس پر اللہ کی حد نافذ کرنے کے ساتھ ساتھ بھاگنے کی تعزیر نافذ کرنے کی بجائے سرے سے اللہ کی حد ہی قانوناً ختم کر دی گئی ہے اور قانون سازوں نے یہ وضاحت بھی ضروری سمجھی ہے کہ چھوٹ کر بھاگنے والا اپنے اقرار کی بنا پر مجرم نہیں بنا تھا بلکہ باقاعدہ گواہوں کی شہادتوں سے اس پر جرم ثابت ہونے کے بعد اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا گیا تھا۔ ایسی دیدہ دلیری سے کتاب اللہ کو ٹھکرانے کی نظیر کم ہی ملے گی۔

اب اگر کوئی چور اتنی جرأت کا مظاہرہ نہیں کر سکتا کہ بھاگ جائے 'پولیس والے بھی رحم نہیں کرتے 'چور انھیں خوش بھی نہیں کر سکا تو وہ فرار کا موقع فراہم کر دیں اور مال

کا مالک بھی نہ ہبہ کرنے پر آمادہ ہے' نہ بیچنے پر تو چور کو نا امید پھر بھی نہیں ہونا چاہیے تھوڑی سی زبان ہلانے کی ضرورت ہے۔ شاہدوں کی شہادت' مال کے مالک کا مطالبہ' پولیس والوں کی ناکہ بندی سب کچھ خس و خاشاک کی طرح اڑ جائے گا اور قانون حنفی کی برکت سے چور کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔

چور کے بلا دلیل دعویٰ سے حد ختم ہونا

"واذا ادعی السارق ان العین المسروقة ملکه سقط القطع عنه و ان لم یقم بینه معناه بعد ما شهد الشاهد ان بالسرقة" (هدایه ص ج 2)

"اور جب چور یہ دعویٰ کر دے کہ چوری کی ہوئی چیز اس کی ملکیت ہے تو اس سے قطع ید ساقط ہو جائے گا۔ اگرچہ وہ کوئی دلیل نہ قائم کرے۔ معنیٰ یہ ہے کہ چور یہ دعویٰ دو گواہوں کے چوری کی شہادت دینے کے بعد کرے۔"

اگر کوئی چور گواہوں کی شہادت کے بعد چوری کی گئی چیز کا مالک ہونے کا دعویٰ کر دے اور اس چیز کا مالک ہونے کا ثبوت بھی پیش کر دے پھر تو واقعی اس پر حد ختم ہو جائے گی اور یہ اس کی خوش طبعی سمجھی جائے گی کہ اتنی دارو گیر اور عدالت میں پیش ہونے اور چوری کی شہادتیں دیے جانے تک خاموش رہا حالانکہ وہ چیز اس کی تھی اور اس کے پاس مالک ہونے کا ثبوت بھی تھا۔ عین ہاتھ کٹنے کے وقت اس نے ثبوت پیش کر دیا اور اتنا حوصلہ اور اتنی دیر خاموشی واقعی کوئی زبردست ظریف ہی کر سکتا ہے۔

لیکن اگر بلا دلیل صرف دعویٰ کر دینے سے ہی حد ختم کر دی جائے تو پھر کسی چور پر بھی حد نافذ نہیں کی جا سکتی۔ صاحب ہدایہ نے خود ہی امام شافعی سے نقل کیا ہے:

"و قال الشافعی لا یسقط بمجرد الدعوی لانه لا یعجز عنه سارق فیؤدی الی سدباب الحد" (هدایه ص 247 ج 2)

"اور شافعی نے کہا کہ خالی دعویٰ سے حد ساقط نہیں ہو گی کیوں کہ اس سے کوئی چور بھی عاجز نہیں ہوتا تو اس کا نتیجہ حد کا دروازہ بند کر دینا ہو گا"

صاحب ہدایہ نے اس کے جواب میں کہا ہے:

" ولنا ان الشبهة دارية و يتحقق بمجرد الدعوى للاحتمال و لا معتبر بما قال بدليل صحة الرجوع بعد الاقرار"

"ہماری دلیل یہ ہے کہ شبہ حد کو ہٹا دیتا ہے اور شبہ خالی دعویٰ سے بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ احتمال کی وجہ سے اور جو شافعیؒ نے کہا ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ چور اقرار کے بعد رجوع کرے تو وہ درست ہے۔"

صاحب ہدایہ نے اس خدشہ کا کوئی جواب نہیں دیا کہ اس سے چور کی حد کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا بلکہ اسے تسلیم کر کے اپنی بات کی دلیل یہ دی ہے کہ اقرار کے ساتھ جو حد واجب ہوتی ہے وہ اقرار کرنے والے کے رجوع سے ساقط ہو جاتی ہے اور رجوع کرنے سے کوئی چور بھی عاجز نہیں تو گواہوں کی گواہی سے واجب شدہ حد بھی چور کے بے دلیل دعویٰ سے ختم ہو جائے تو درست ہے۔

گویا اگر حد ختم ہے اور سرے سے اس کا دروازہ ہی بند ہوتا ہے تو قانون کو اس کی کیا پرواہ ہے وہ تو بنا ہی اس لیے ہے کہ یہ دروازہ بند کرے۔

دونوں کے جرم کے ثبوت کے فرق پر غور کیجیے۔ اقرار کرنے والے کے جرم کی دلیل اس کے اقرار کے علاوہ کچھ نہیں اور وہ دلیل بھی اس کے رجوع سے ختم ہو چکی ہے اور دوسرے شخص پر جرم عادل گواہوں کی شہادت سے ثابت ہوا ہے۔ اس ثبوت میں ملزم کا کوئی دخل نہیں۔ اب اگر اسے اس چیز کا مالک ہونے کا بے دلیل دعویٰ کر دینے سے ہی قطع ید سے مستثنیٰ قرار دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے اس کے جرم کا ثبوت یہ تھا کہ اس نے مالک ہونے کا بے دلیل دعویٰ نہیں کیا تھا۔ اب جو اس نے یہ دعویٰ کر دیا' اس کے خلاف جرم کا ثبوت خود بخود ختم ہو گیا۔ قانون سازوں کی زبردستی کی انتہا دیکھیے کہ اقرار کرنے والے کے اپنے اقرار سے رجوع کو اور دوسروں کی شہادتوں سے ثابت شدہ مجرم کے مالک ہونے کے بے دلیل دعویٰ کو ایک بنا دیا ہے۔

کیا بے بنیاد شبہوں سے حد ختم ہو سکتی ہے؟

رہا یہ کہنا کہ "چور نے اگرچہ دلیل نہیں دی مگر مالک کے ہونے کا دعویٰ تو کر دیا ہے اب احتمال تو ہے کہ واقعی وہ چیز اس کی ہو۔ اس سے شبہ پیدا ہو گیا اور شبہ سے حد ختم ہو گئی" تو اس کے متعلق جرم کے ثبوت کی پختگی کو بھی مد نظر رکھنا ضروری ہے کہ گواہی دینے والے اس کے خلاف کسی کی ملکیت سے نصاب کے برابر یا زائد چیز چوری کرنے کی شہادت دے چکے ہیں۔ ان کی شہادت سے چوری کی گئی چیز کا مالک بھی متعین ہو چکا' چوری بھی ثابت ہو گئی۔ چور بھی نامزد ہو گیا۔ اب اگر چور کے بلا دلیل دعویٰ سے پیدا شدہ احتمال کو حد ختم کرنے والا شبہ قرار دیا جائے تو پھر صرف چوری کی حد ہی نہیں تمام حدود کا دروازہ بند کرنا ہو گا۔ مثلاً قاتل کے خلاف قتل عمد کی شہادتیں بھگت گئیں اس نے دعویٰ کر دیا کہ مجھ سے قتل خطا ہوا ہے۔ مگر اپنے دعویٰ کی دلیل پیش نہ کی۔ تو بے شک قتل عمد کی شہادتیں موجود ہیں مگر احتمال تو ہے کہ قاتل سچا ہو۔ اب قصاص کا دروازہ بھی بند کہ کوئی قاتل بے دلیل دعویٰ کرنے سے عاجز نہیں بلکہ گواہوں کے مقابلے میں اگر وہ یہ دعویٰ کر دے کہ میں نے قتل کیا ہی نہیں' چوری کی ہی نہیں' زنا کیا ہی نہیں تو احتمال تو اس کی بات کے درست ہونے کا پھر بھی ہے اور بعض اوقات فی الواقع ایسا ہوتا بھی ہے لیکن اگر عدالتوں میں ایسے احتمالات اور شبہات کی بنا پر حدود ختم کی جائیں تو پھر قاتلوں سے قصاص' چوروں کے قطع ید' زانیوں کی حد اور شرابیوں کی حد کا معاملہ ممکن ہی نہیں رہے گا اور کوئی عدالت اس قسم کے شبہات کو قابل قبول سمجھے تو وہ عدالت کہلانے کی حق دار ہی نہیں ہو گی۔ حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرمودہ طریقوں سے کوئی جرم ثابت ہو جائے تو پھر اس کے بے بنیاد شبہوں سے اسے ختم نہیں کیا جا سکتا۔

قانون دانی پر علماء کی اجارہ داری

ایک عظیم دانشور نے مذکورہ ضابطہ سے حد کا دروازہ بند ہونے کے خطرہ کا جواب یہ دیا ہے کہ "اس سے حد کا دروازہ بند ہونے کا کوئی خطرہ نہیں کیوں کہ اکثر چوروں کو یہ ضابطہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ اسے استعمال کر کے حد سے بچ سکتے ہوں اور جنھیں معلوم ہوتا ہے

وہ علما کرام کی جماعت ہے جو عموماً چوری نہیں کرتے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ضابطے تمام مسلمانوں کو نہیں بتانے چاہئیں مبادا چوروں کو ان کا پتا چل جائے صرف علما تک محدود رہنے چاہئیں تاکہ حد سے بچنے پر ان کی اجارہ داری قائم رہے۔ جب کہ قرآن وحدیث ہر مسلمان کو پہنچانا ضروری ہے۔ اس پر کسی کی اجارہ داری نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے یہ بھائی مطالبہ حنفی قانون نافذ کرنے کا کرتے ہیں مگر اپنی مساجد اور اجتماعات میں درس ہمیشہ قرآن وحدیث کا دیتے ہیں۔ مطلب اس کا جو چاہیں بیان کریں کبھی ہدایہ، مبسوط، جامع صغیر یا عالمگیری وغیرہ کا درس نہیں دیتے۔ جب قرآن و حدیث کا مغز یہ ہے تو عوام کے سامنے مغز کیوں نہیں رکھتے۔ ہو سکتا ہے یہ حضرات مجھ پر بھی ناراض ہوں کہ میں وہ مسائل جو صرف علما کرام کی جاگیر تھے اردو میں ترتیب دے کر عام کیوں کر رہا ہوں۔ مگر میرا عذر یہ ہے کہ میں نے اپنا فرض سمجھا کہ جو حقیقت مجھ پر واضح ہوئی ہے وہ اپنے دوسرے بھائیوں کے سامنے بھی واضح کر دوں کہ اصل قرآن وحدیث میں اور ان کا مغز قرار دی جانی والی چیز میں کتنا تفاوت ہے۔

ویسے ہمارے ان مہربانوں نے یہ بات مد نظر نہیں رکھی کہ جب یہ قانون نافذ ہو گا تو چوروں کو یہ ضابطے معلوم نہ بھی ہوں وکلا سے تو مخفی نہیں رہ سکیں گے جن کا کام ہی یہ ہے کہ کس طرح مجرموں کی سزا ختم کروائیں۔ علما کی اجارہ داری پھر بھی قائم نہیں رہ سکے گی۔

WWW. DEENEKHALIS. COM

WWW. RAHEHAQ. COM

WWW. ESNIPS. COM/USER/TRUEMASLAK

truemaslak @ inbox. com

حدود کو شبہات سے معاف کرنے کی روایت

بات کو مکمل کرنے کے لیے مناسب سمجھتا ہوں کہ حد باطل کرنے کے لیے بار بار جس روایت کو دلیل بنایا گیا ہے اس کی حیثیت واضح کر دوں اور یہ بھی واضح کر دوں کہ اگر اسے صحیح مانا بھی جائے تو مکمل روایت کیا ہے جسے اگر مد نظر رکھا جاتا تو کسی کو تعطیل حدود (حدود ختم کرنے) کی جرأت ہی نہ ہوتی۔

حقیقت یہ ہے کہ شبہ سے حد ہٹا دینے کی جتنی روایات ہیں ان میں کوئی بھی رسول اللہ ﷺ تک ایسی سند سے نہیں پہنچتی جس سے کوئی روایت ثابت قرار دی جا سکتی ہو۔ وہ روایات درج ذیل ہیں:۔

1۔ حضرت عائشہؓ کی روایت

ہدایہ کی تخریج نصب الرایہ کے مؤلف حنفی بزرگ زیلعی فرماتے ہیں:

ترجمہ: ترمذی نے محمد بن ربیعہ سے 'یزید بن زیاد سے 'زہری سے 'عروہ سے 'عائشہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ادراوا الحدود عن المسلمین ما استطعتم فان کان لھا مخرج فخلوا سبیلہ فان الامام ان یخطئ فی العفو خیر من ان یخطئ فی العقوبة انتھٰی-"

"یعنی مسلمانوں سے حدود کو ہٹاؤ جس قدر تم طاقت رکھتے ہو اگر اس کے لیے کوئی راستہ ہو تو اس کو چھوڑ دو کیوں کہ امام کا معاف کرنے میں غلطی کرنا سزا دینے میں غلطی کرنے سے بہتر ہے۔"

ترمذی نے کہا: ہم اس حدیث کو مرفوع نہیں جانتے مگر محمد بن ربیعہ کی حدیث سے جو انھوں نے یزید بن زیاد سے 'زہری سے روایت کی ہے اور یزید بن زیاد حدیث میں ضعیف ہے اور اسے وکیع نے یزید بن زیاد سے روایت کیا ہے۔ اور اسے مرفوع روایت نہیں کیا اور وہ زیادہ صحیح ہے پھر ترمذی نے اسے وکیع سے روایت کیا ہے جو وہ یزید سے

موقوف بیان کرتے ہیں۔ انتہی۔ اور اسے حاکم نے مستدرک میں روایت کر کے کہا: یہ صحیح الاسناد اور شیخین نے اسے روایت نہیں کیا" ذہبی نے اس کی مختصر میں اس پر تعاقب کرتے ہوئے کہا ہے:

یزید بن زیاد کے متعلق نسائیؒ نے کہا متروک ہے انتہی۔ اور ترمذیؒ نے اپنی "علل کبیر" میں کہا ہے: محمد بن اسماعیل نے کہا: یزید بن زیاد منکر الحدیث گیا گزرا ہے۔ انتہی اور اسے دار قطنی پھر بیہقیؒ نے اپنی سنن میں مرفوعاً روایت کیا ہے اور بیہقیؒ نے کہا ہے: موقوف زیادہ صحیح ہے۔ حضرت عائشہؓ کی روایت پر زیلعی کا کلام ختم ہوا۔

(نصب الرایہ ص 74-75 ج 2 مطبع علوی)

محدث کبیر ناصر الدین البانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "**ارواء الغلیل فی تخریج احادیث منار السبیل**" میں اس کلام کے علاوہ کئی زائد چیزیں بیان فرمائی ہیں۔ ان میں دو باتیں یہاں قابل ذکر ہیں:

1. یہ روایت مرفوع بھی ضعیف ہے اور موقوف بھی کیوں کہ دونوں کا مدار یزید بن زیاد دمشقی پر ہے جس کا حال اوپر گزر چکا ہے تو بعض محدثین کے موقوف کو مرفوع سے زیادہ صحیح قرار دینے سے حاصل کچھ نہیں کیوں کہ جس وجہ سے مرفوع ضعیف ہے وہ وجہ موقوف میں بھی موجود ہے۔
2. بیہقی نے کہا ہے: "اور اسے رشدین بن سعد نے عقیل سے زہری سے مرفوعاً بیان کیا ہے اور رشدین ضعیف ہے۔"

2۔ حضرت علیؓ کی روایت

زیلعی فرماتے ہیں: دار قطنیؒ نے اپنی سنن میں مختار تمار سے 'ابو مطر سے' علی سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا' فرماتے تھے:

"**ادراوا الحدود**" انتہی یعنی حدود کو ہٹاؤ انتہی اور مختار تمار ضعیف ہے۔"

زیلعی کے کلام کا ترجمہ ختم ہوا۔ ص 75 ج 2

شیخ البانیؒ نے فرمایا: یہ روایت بیہقی میں بھی ہے۔ مختار تمار کے متعلق تقریب

میں ہے:" ضعیف "اور بخاریؒ نے فرمایا ہے:" منکر الحدیث"

بیہقیؒ نے اسے مختار تمار سے اس کی ایک اور سند کے ساتھ علیؓ سے روایت کیا ہے اس میں یہ لفظ زیادہ ہیں۔

"و لا ینبغی للامام ان یعطل الحدود"

"اور امام کے لائق نہیں کہ وہ حدود کو معطل کرے۔"

3- حضرت ابوہریرہؓ کی روایت

زیلعیؒ فرماتے ہیں: ابو یعلی موصلی نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے 'ہمیں اسحٰق بن اسرائیل نے بیان کیا ہے۔ ہمیں وکیع نے بیان کیا۔ مجھے ابراہیم بن فضل مخزومی نے سعید مقبری سے ابو ہریرہؓ سے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" ادرأو االحدود مااستطعتم "انتہی یعنی حدود کو ہٹاؤ جس قدر ہٹا سکو۔ اور ابن ماجہؒ نے اسے اپنی سنن میں روایت کیا ہے کہ ہمیں عبداللہ بن الجراح نے بیان کیا ہے 'ہمیں وکیع نے اسی سند سے مرفوعاً بیان کیا ہے۔

"ادفعوا الحدود ما وجدتم لها مدفعا"

"یعنی جب تک تمھیں ہٹانے کی کوئی صورت ملتی ہے حدود کو ہٹاؤ"

زیلعی کے کلام کا ترجمہ ختم ہوا۔ ص75ج2

شیخ ناصر الدینؒ نے اس پر لکھا ہے کہ بوصیری نے "الزوائد (ق 1/58) میں اس حدیث کے متعلق کہا ہے:

"یہ اسناد ضعیف ہے 'ابراہیم بن فضل مخزومی کو احمدؒ 'ابن معینؒ 'بخاریؒ 'نسائیؒ 'ازدیؒ اور دار قطنیؒ نے ضعیف قرار دیا ہے۔" (الارواء ص26ج 8)

4- مرسل عمر بن عبدالعزیز

محدث البانیؒ فرماتے ہیں:" تاریخ دمشق میں ابن ابی بکر مقدمی نے بیان کیا 'ہمیں محمد بن علی شامیؒ نے بیان کیا 'ہمیں ابو عمران جونی نے بیان کیا 'انھوں نے کہا: عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا: اس سے آگے ایک قصہ ذکر کرنے کے بعد مذکور ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ادرأ والحدود بالشبهة" یعنی حدود کو شبہ کے ساتھ ہٹادو۔ ابو سعد سمعانی نے اسی طریق سے "الذیل" میں اسے روایت کیا ہے جیساکہ "المقاصد الحسنۃ" (رقم 46) میں ہے اور کہا ہے: ہمارے شیخ نے کہا: اس کی سند میں غیر معروف راوی موجود ہیں۔" گویا مرسل ہونے کے علاوہ اس کی سند بھی صحیح نہیں۔

5۔ ابن عباسؓ کی روایت

شیخ ناصر الدینؒ فرماتے ہیں: "حارثی نے "مسند ابی حنیفہ" میں مقسم عن ابن عباس کی سند سے " ادرا وا الحدود بالشبهات ما استطعتم "(یعنی جہاں تک کر سکو حدود کو شبہات کے ساتھ دور کر دو) روایت کیا ہے۔ یہ روایت ابن عدی کے ہاں بھی اسی طرح ہے۔۔۔اور یہ روایت ضعیف ہے۔"

شیخ ناصر الدین کا کلام ختم ہوا۔

یہ وہ کل روایات ہیں جن کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جاتی ہے مگر آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ ان میں سے ایک بھی ثابت نہیں۔

صحیح تسلیم کرنے میں مکمل روایت

اگر یہ روایات صحیح بھی مانی جائیں تو ان کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ ان کو بہانہ بنا کر حدود کو معطل ہی کر دیا جائے جیساکہ ہمارے قانون سازوں نے کیا ہے کیوں کہ ان میں سے حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کی روایت میں صاف الفاظ موجود ہیں جن میں آپ ﷺ نے ان روایات کو تعطیل حدود کا بہانہ بنانے سے منع کیا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ فرماتے ہیں:

"ولا ينبغي للامام ان يعطل الحدود " یعنی اور امام کے لیے لائق نہیں کہ وہ حدود کو معطل کر دے" حوالہ اوپر گزر چکا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ہمارے قانون سازوں کا اس روایت کو ہر موقع پر بے دریغ استعمال کر کے حدود کو معطل کر دینا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مقصد و منشاء کے سراسر خلاف ہے۔ اسی طرح بعض صحابہؓ سے منقول اس مفہوم کے الفاظ کا مطلب بھی "ولا ينبغي للامام ان يعطل الحدود "کو مد نظر رکھ کر متعین کیا جائے گا۔ کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام حدود اللہ نافذ کرتے

تھے نہ کہ ہمارے ان بھائیوں کی طرح حدود ختم کرنے کے قانون بناتے تھے چنانچہ بہت سے شبہات جن کی بنا پر ان حضرات نے حد ساقط کی ہے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کے زمانے میں پیش آنے والے واقعات میں بھی موجود ہے مگر اس وقت ان سے حد ساقط نہیں ہوئی بلکہ چوروں کے ہاتھ کاٹ دیے گئے۔ مثلاً ملاحظہ کیجیے حضرت صفوان کے چور کا واقعہ۔

حرفِ آخر

آخر میں سب مسلمان بھائیوں سے گزارش ہے کہ آیئے ہم سب اس قانون پر جمع ہو جائیں جو ہمارے رسول ﷺ لے کر آئے تھے جس پر صحابہ و تابعین عمل پیرا رہے۔ اور وہ قانون صرف کتاب و سنت ہے جو اس وقت بھی مکمل تھا جب صحابہ و تابعین کا زمانہ تھا اور اب بھی مکمل ہے۔ نہ اس وقت اس میں کوئی کمی تھی کہ کوئی اسے دور کرتا' نہ اب کوئی کمی ہے۔ اگر کمی ہو سکتی ہے تو وہ قرآن و سنت کے علم کی کمی ہے جو ہماری کوتاہی ہے نہ کہ کتاب و سنت کی۔ اسی اصل پر عمل پیرا ہونے سے ہم متحد ہو سکتے ہیں اور ہمیں وہ امن و اطمینان بھی حاصل ہو سکتا ہے جو اس مبارک دور میں مسلمانوں کو حاصل تھا۔ ایک سو سال بعد انسانی دماغ کا بنایا ہوا قانون جس نے کتاب و سنت کی تعبیر و تفسیر کے نام پر حدود و شرائع کو معطل ہی کر دیا' نہ بنائے اتحاد بن سکتا ہے' نہ ہی اس کی تنفیذ سے امن و سکون کی نعمت حاصل ہو سکتی ہے۔ میں نے محنت کر کے صرف حد سرقہ کے متعلق قرآن و سنت اور قانون حنفی دونوں کا خلاصہ آپ کے سامنے رکھ دیا ہے اور امید رکھتا ہوں کہ آپ ایک مسلم کی حیثیت سے نور و ظلمت کا فرق ظاہر ہو جانے کے بعد کتاب و سنت کی روشنی میں کسی تاریکی کو ترجیح نہیں دیں گے اور قرآن و سنت کے ہوتے ہوئے پاکستان میں انسان کے بنائے ہوئے کسی قانون کے نفاذ کا مطالبہ نہیں کریں گے خواہ وہ قانون حنفی ہو یا کوئی اور کیوں کہ ہمارے دکھوں کا مداوا صرف قانون الٰہی کا عملی نفاذ ہے۔

وہی دیرینہ بیماری' وہی ناسمجھی دل کی!
علاج اس کا وہی اللہ کا قانون ہے ساقی

☆☆☆☆☆

أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ (القرآن)
کیا ان لوگوں نے اللہ کے شریک بنا رکھے ہیں جو ان کو دین کا وہ رستہ بتلاتے ہیں جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا۔
۴۲ : ۲۱

حقیقۃ الفقہ

تحقیق و تخریج
محمد سرور عاصم

تالیف
محمد یوسف جے پوری

مکتبہ الاسلامیہ
بیرون امین پور بازار بالمقابل شیل پٹرول
پمپ فیصل آباد فون: 041-631204